☆ تنظیم اسلامی کیوں قائم ہوئی اور اس کے قیام کی اوّلین کوشش کب ہوئی ؟

☆ اس کی ''قراردادِ تاسیس'' قافلۂ جماعت اسلامی سے جدا ہونے والے کن ''اکابرین'' کے اتفاقِ رائے سے منظور ہوئی تھی ؟

☆ اوّلین کوشش میں ناکامی کے بعد دوبارہ اس کے قیام کا عزم کس نے کیا اور اس کا باقاعدہ قیام کب عمل میں آیا؟

☆ تنظیم اسلامی کے اساسی نظریات کیا ہیں اور اس کے پیش نظر اہداف و مقاصد کون کون سے ہیں؟

☆ اُمت مسلمہ کی چودہ سوسالہ تاریخ کے پس منظر میں تنظیم اسلامی کا محل و مقام کیا ہے؟

☆ تنظیم اسلامی کے بانی کا فکری و تحریکی پس منظر کیا ہے؟

ان تمام سوالات کے تفصیلی جوابات کے لیے
تنظیم اسلامی کے درج ذیل تین اساسی کتابچوں کا مطالعہ ناگزیر ہے:

(۱)

سلسلۂ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 1

عزمِ تنظیم

(سابقہ ''سرافگندیم'')

(۲)

سلسلۂ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 2

تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر

(۳)

سلسلۂ اشاعت تنظیم اسلامی نمبر 3

تعارفِ تنظیم اسلامی

مذکورہ بالا کتابیں اندرونی صفحے پر موجود تمام مراکز پر دستیاب ہیں۔

سلسلۂ اشاعتِ تنظیمِ اسلامی نمبر۶

حسابِ کم وبیش

اور

گزارشِ احوالِ واقعی

یعنی

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
بانیٔ تنظیم اسلامی اور داعیٔ تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

کے بعض ذاتی وخاندانی، مالی ومعاشی اور تنظیمی وتحریکی کوائف
ان کے اپنے قلم سے!

تنظیمِ اسلامی

دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی ملتان روڈ چوہنگ، لاہور۔ پوسٹ کوڈ:53800
فون:79-35473375-(042)
ای میل:markaz@tanzeem.org
www.tanzeem.org

چند حروف - کچھ باتیں

زیر نظر کتاب کا پہلا حصہ ''حسابِ کم وبیش'' قبل ازیں دو بار شائع ہو چکا ہے۔اس کا پہلا ایڈیشن جون ۱۹۹۴ء میں طبع ہوا تھا۔ بعد ازاں مارچ ۲۰۰۱ء میں شائع ہونے والے نظر ثانی شدہ اور updated ایڈیشن میں ''پس نوشت'' اور ''دو اہم اطلاعات'' کا اضافہ بھی کیا گیا۔ وقت کے دریا میں بہت سا پانی گزر جانے کے باعث اب اس کتاب کو دوبارہ update کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مکتبہ میں اس کا سٹاک مکمل طور پر ختم ہو جانے کے باوجود گزشتہ سال بھر سے اس کی طباعت کی نوبت نہیں آ رہی تھی۔

طبع سوم کے موقع پر یہ کتاب محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کی ایک تازہ تحریر ''گزارشِ احوالِ واقعی'' کے اضافے کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔ اس اضافے سے یہ کتاب نہ صرف update ہوگئی ہے بلکہ چند مزید موضوعات کا احاطہ کرنے کے باعث مزید جامع بھی ہوگئی ہے۔

خالد محمود خضر

مدیر شعبہ مطبوعات

نام کتاب .... ''حسابِ کم وبیش''

اشاعت اکتوبر 2020ء 500

ناشر .... شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی

مقامِ اشاعت .... دار الاسلام مرکز تنظیم اسلامی ملتان روڈ لاہور

مطبع .... شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

email: markaz@tanzeem.org

website: **www.tanzeem.org**

حسابِ کم و بیش

سپردم بہ تو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ کم و بیش را[1]

[1] میں نے اپنا تمام تر سرمایہ تیرے سپرد کر دیا کہ تو ہر چھوٹے بڑے حساب کو خود جانتا ہے

ترتیب

پیش لفظ

ص: ۵

o

باب اوّل

تحریکی اور ''بین الاخوانی'' پس منظر

ص:

o

باب دوم

۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۱ء۔ معاش اور معاد کی شدید کشاکش، اور

بالآخر میڈیکل پریکٹس کو خیر باد کہنے کا آخری فیصلہ

ص:

o

باب سوم

فروری ۷۱ء تا ستمبر ۹۲ء۔ ''وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى'' کا عکس، اور

''وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ'' کا ظہور و ثبوت

ص:

o

پس نوشت: فروری ۲۰۰۱ء

ص: ۶۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ویسے تو یہ بات پہلے بھی بہت مرتبہ ذہن میں آئی ہے، لیکن اس سال رمضان مبارک میں دورۂ ترجمہ قرآن کے دوران جب بھی یہ الفاظِ مبارکہ سامنے آئے کہ: ''میں تم سے اس کی (یعنی اپنی تعلیم و تلقین، دعوت و تبلیغ، اور نصح و خیر خواہی کی) کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو بس اللہ کے ذمے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے!'' (واضح رہے کہ یہ الفاظ بعض دوسرے مقامات کے علاوہ صرف سورۂ شعراء میں پانچ مرتبہ وارد ہوئے ہیں!) تو دل میں یہ پختہ ارادہ پیدا ہوا کہ باطن کا معاملہ تو اللہ ہی کے حوالے ہے، چونکہ کم از کم ظاہری حد تک میں نے بھی اپنی پوری زندگی دین کی دعوت و خدمت ہی میں بسر کی ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ اپنی زندگی کے کم از کم اس دعوتی دور کے مالی معاملات کا ''حسابِ کم وبیش'' پبلک کے سامنے پیش کر دوں تا کہ ایک عربی شعر

''اُحِبُّ الصّالحینَ ولستُ منهم
لعلّ اللّٰهَ یَرزُقنی صَلاحا''

میں صالحین سے محبت کرتا ہوں حالانکہ میں ان میں سے
نہیں ہوں شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے صالحیت عطا فرما دے

کے مصداق واضح ہو جائے اور اس کا ''تحدیثاً لِلنِّعمة'' ذکر بھی ہو جائے کہ گو ''چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک''[1] کے مطابق دوسرے اعتبارات سے تو کوئی نسبت مجھے اصحابِ ہمّت و عزیمت کے ساتھ حاصل نہیں ہے، تاہم اس خاص معاملے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے، خواہ لاکھ بلکہ کروڑ میں ایک ہی کے تناسب سے سہی، بہر حال یہ نسبت اپنے اس بندۂ ناچیز کو عطا کر دی ہے کہ اس خدمتِ دین کو دولت کمانے، یا جائیداد بنانے، یا اثاثے

۱۔ مٹی کو عالم پاک سے کیا نسبت؟

جمع کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔

موجودہ دور میں اس معاملے کی اہمیت پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ اس لیے کہ ''پبلک لائف'' سے تعلق رکھنے والے اکثر و بیشتر لوگوں کا معاملہ، خواہ وہ اہلِ سیاست وحکومت ہوں، خواہ رجالِ دین و مذہب، عوام کے لیے بہت سی بدگمانیوں کا موجب بن رہا ہے۔ چنانچہ جب لوگوں کے علم میں آتا ہے کہ صرف قومی وسماجی خدمت کرنے والے ہی نہیں، عبا و قبا اور جُبّہ و دستار کے حاملین بھی ''اس حمام میں سب ننگے ہیں!'' اور ''چوں دُم برداشتم مادہ برآمد''[۱] کے مصداق کامل ہیں تو فطری طور پر عوام میں شدید ردِ عمل پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں مخلص اور نیک نیت لوگوں کے کام میں بھی رکاوٹ پیش آتی ہے۔ بنابریں ضروری ہے کہ جیسے اربابِ سیاست وحکومت سے عام طور پر مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے سیاسی کیریئر سے قبل اور بعد کے اثاثوں کا اعلان کریں، ایسے ہی لازم ہے کہ خادمانِ دین و مذہب بھی اپنا ''حسابِ آمد و خرچ'' لوگوں کے سامنے پیش کردیں۔ تاکہ بدگمانی کی عمومی فضا ختم ہو اور اعتماد کی صورت بحال ہوجائے۔

محاسبۂ اخروی کے اہم اور اساسی امور کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ سے متعدد ہم مضمون احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں۔

﴿لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ، وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ، وَ مَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ﴾ (ترمذیؒ عن عبداللہ ابن مسعودؓ)

ترجمہ: ''کسی انسان کے قدم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے سے ہل نہیں سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائے: (i) عمر کے بارے میں کہ کس کام میں صرف کی؟ (ii) خصوصاً عہدِ شباب کے بارے میں کہ وہ کہاں بِتایا؟[۲] (iii) اور (iv) مال کے بارے میں کہ کہاں

۱۔ مونث نکلی جب دم اٹھائی تو   ۲۔ بسر کیا

سے کمایا اور کن کاموں میں خرچ کیا؟ اور (۷) جو علم حاصل ہوا اس میں عمل کتنا کیا؟''

تو اگرچہ پوری زندگی کے بارے میں تو میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا، اس لیے کہ معلوم نہیں ہے کہ ابھی اس کا کتنا حصہ باقی ہے، اور اس بقیہ حصے کے بارے میں اللہ ہی کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مبادا ''وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ''[۱] (الاعراف:۱۷۶) کی صورت بن جائے اور 'معاذ اللہ' اگلا پچھلا کیا دھرا سب اکارت ہو جائے، تاہم الحمد للہ عہدِ شباب کے بارے میں پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم سے، اپنی ساری ذاتی خامیوں اور کوتاہیوں، اور جملہ ''عجز''[۲] اور ''کسل''[۳] کے باوجود ع 'جنوں میں جتنی بھی گزری بہ کار[۴] گزری ہے!'' کے مصداق نوجوانی کی عمر سے لے کر کہولت[۵] کی عمر تک کا پورا زمانہ اللہ کے دینِ حق، اور بالخصوص اس کی کتابِ عزیز کی خدمت ہی میں بسر ہوا!

رہا علم اور اس کے مطابق عمل کا معاملہ، تو اس کے ضمن میں اولاً تو ''عصمتِ بی بی از بے چادری!'' کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ ''معلومات'' کے بارِ گراں[۶] سے بچائے ہی رکھا ہے، البتہ حضرت بُلھے شاہ کے اس شعر کے مصداق کہ ''علموں بس کریں او یار۔ اکّو الف ترے درکار!'' دین کے اصول و مبادی کا جو فہم اللہ نے دیا، بحمد اللہ اس پر کم از کم ناگزیر حد تک عمل کی توفیق بھی خود ہی اپنے خصوصی فضل و کرم سے ارزانی فرما دی، فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ![۷]

البتہ جہاں تک مالی امور کے بارے میں سوالات کا تعلق ہے یعنی یہ کہ کیا اور کن ذرائع سے کمائی کی اور کہاں اور کس طور سے خرچ کیا، تو اس کے تیس سال کے لگ بھگ عرصے کا تفصیلی حساب کتاب تو ظاہر ہے کہ دنیا میں تو ممکن ہی نہیں ہے، رہا آخرت کا معاملہ تو اگرچہ وہاں پائی پائی کا حساب تو یقیناً محفوظ ہو گا لیکن خیریت اور عافیت میں صرف وہی رہ سکیں گے جن سے ''حسابِ یسیر''[۸] لیا جائے۔ چنانچہ اسی پر قیاس کرتے ہوئے ''موٹا حساب'' آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

---

(۱) مگر وہ زمین کی طرف ہی دھنستا چلا گیا (۲) کمزوری (۳) سستی (۴) کام میں (۵) بڑھاپے کی ابتدا
(۶) بھاری بوجھ (۷) اسی کا شکر و احسان ہے (۸) آسان حساب

چونکہ ہر وہ شخص جو لوگوں کو قرآن حکیم کا درس دیتا ہے، یا وعظ و خطاب کی کوئی اور صورت اختیار کرتا ہے، اس کی حیثیت لامحالہ ایک ''داعی'' کی سی ہو جاتی ہے، بنا بریں میری زندگی کے ''دعوتی دور'' کا آغاز اصلاً تو اٹھارہ برس کی عمر میں ۱۹۵۰ء ہی سے ہو گیا تھا، تاہم آزادانہ حیثیت میں دعوتِ دین اور خدمت قرآن کا سلسلہ ۱۹۶۵ء سے شروع ہوا۔ جو پہلے چھ برس یعنی ۷۱ء تک خالص انفرادی جدوجہد کی صورت میں جاری رہا، تا آنکہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تاسیس[۱] (مارچ ۱۹۷۲ء) سے اس میں اجتماعی رنگ کا آغاز ہوا، جو تین سال بعد یعنی مارچ ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کے قیام کے ساتھ اپنی پوری پختگی کو پہنچ گیا۔ لہٰذا ''دعوتی دور'' کے مالی معاملات کے ضمن میں ''حسابِ کم وبیش'' بھی اصولی طور پر اس کے بعد کے زمانے ہی سے متعلق ہے۔

تاہم اس سے پہلے کا اجمالی[۲] خاکہ بھی حاضر خدمت ہے، یعنی

(i) پیدائش (۲۶ / اپریل ۱۹۳۲ء) سے ۱۹۴۷ء میں میٹرک پاس کرنے تک پوری کفالت[۳] والد صاحب مرحوم نے فرمائی۔

(ii) ۴۷ء تا ۵۴ء ایف ایس سی اور میڈیکل کی تعلیم کے دوران کچھ بار والد صاحب نے برداشت کیا، کچھ تعاون بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کا رہا، کچھ مدد میرٹ سکالرشپ سے ملتی رہی (الحمدللہ کہ ایف ایس سی اور میڈیکل کالج کے فرسٹ ایئر کے دوران بھی ''وظیفہ خوار''[۴] تھا، پھر میڈیکل کالج کے سیکنڈ ایئر کے دوران تو میرے پاس دو دو سکالرشپ تھے، ایک ایف ایس سی کی اساس پر، اور دوسرا فرسٹ ائیر کے امتحان میں فرسٹ آنے پر!) مزید برآں اس زمانے میں بعض اداروں سے قرضِ حسنہ بھی حاصل کیا جو تعلیم سے فراغت کے بعد ادا کیا۔

(iii) ۵۴ء سے ۵۷ء تک تین سال جماعت اسلامی منٹگمری (حال ساہیوال) کی ڈسپنسری میں ملازمت کی اور پھر ۵۷ء تا ۶۲ء اپنی ذاتی پریکٹس کی، جس کی بنا پر انکم ٹیکس دہندگان میں تو شمار ہونے لگا، تاہم مالی حیثیت لوئر مڈل کلاس ہی کی رہی۔

---

(۱) بنیاد (۲) مختصر (۳) ذمہ داری (۴) وظیفہ لینے والا

(iv) ۶۲ء تا ۶۵ء لگ بھگ تین سال بھائیوں کے ساتھ ایک کاروباری اشتراک میں گزرے، اور اس دوران میں رہائش، سواری اور دیگر سہولتیں بھی مرفہ الحال طبقے کی سی میسر رہیں اور عام رہن سہن بھی کم از کم اَپر مڈل کلاس کا رہا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کچھ نقد پونجی بھی جمع ہو گئی۔

ان سطور کی تحریر کے وقت (۹/ مئی ۹۴ء) میری عمر شمسی حساب سے باسٹھ برس اور بارہ یوم ہو چکی ہے۔ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ ع ''کچھ ترے آنے سے پہلے، کچھ تیرے جانے کے بعد'' کے مصداق میری زندگی کے پورے تیس سال متذکرہ بالا کاروبار میں شرکت سے قبل بسر ہوئے تھے، اور ٹھیک تیس ہی سال اس سے علیحدگی کے بعد ہو گئے ہیں۔ اور یہ ''شراکت مع الاخوان''[1] میری زندگی میں نہ صرف زمانی اعتبار سے ''مرکزی'' حیثیت کی حامل ہے بلکہ متعدد دیگر اعتبارات سے بھی بہت ''فیصلہ کُن'' ثابت ہوئی۔ چنانچہ اسی کے نتیجے میں میں نے دوبارہ لاہور منتقل ہو کر اپنی آزادانہ حیثیت میں اور بھرپور طور پر زندگی کے ''دعوتی دور'' کا آغاز کیا۔ اور جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، اسی کے ذریعے مجھے اپنی زندگی کے نئے دور کے لیے لازمی ابتدائی سرمایہ حاصل ہوا۔ بِنا بَریں میری زندگی کے دعوتی دور کے مالی معاملات کے صحیح فہم کے لیے اس کاروباری اشتراک کا صُغریٰ کُبریٰ اور اس کے ضمن میں وَصل و فصل کے بنیادی حقائق کے مختصر تذکرے کے ساتھ ساتھ برادرانِ بزرگ و خورد[2] کا اجمالی تعارف بھی ضروری ہے۔

اس سلسلے میں اس وقت مجھے یہ سہولت حاصل ہے کہ اب سے چھ سال قبل اپنے ''بعض ذاتی اور خانگی کوائف'' پر مشتمل میری ایک تحریر ماہنامہ ''میثاق'' میں تین اقساط میں (جولائی تا ستمبر ۸۸ء) شائع ہوئی تھی۔ جس کا فوری سبب تو یہ تھا کہ برادرم اقتدار احمد نے ذاتی ہفت روزہ جریدے ''ندا'' کے دسویں شمارے میں میرے بارے میں چند جملے ایسے شائع کیے جن سے پرانی یادوں کے بہت سے دریچے وا ہو گئے اور اپنی خاندانی زندگی کے بہت سے بھولے بسرے واقعات کی فلم پردۂ ذہن پر چلنے لگی اور یہ احساس شدت کے ساتھ پیدا ہوا کہ یہ حقائق و واقعات

---

(۱) بھائیوں کے ساتھ شراکت (۲) بڑے اور چھوٹے

تنظیم اسلامی کے رفقاء واحباب کے علم میں آنے ضروری ہیں۔ اس لیے کہ ''بیعت'' کی بنیاد پر قائم ہونے والی تنظیم میں داعی کی زندگی کے اہم حالات و واقعات کا ''مبایعین''[(۱)] کے علم میں ہونا مناسب اور مفید ہی نہیں ضروری ہے۔ تاہم جب میں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تو ایک تو بات بہت طویل ہوتی چلی گئی۔ اور دوسرے ع 'اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں!'' کے مصداق بعض ''ناگفتنی''[(۲)] باتوں کا تذکرہ بھی ناگزیر ہو گیا۔ بنابریں میں خود تو اس کی اشاعت کے بارے میں متردّد[(۳)] ہو گیا تھا، لیکن تنظیم اسلامی کے بہت سے سینئر اور ذمہ دار رفقاء کا خیال ہوا کہ اس کی اشاعت ضروری ہے۔ تاہم جب وہ تحریر شائع ہوئی تو اس کے بعض جملوں پر جو میرے نزدیک تو صرف لطیف مزاح کے حامل تھے، بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کی جانب سے شدید رنج وغم کا اظہار ہوا۔ بنابریں وہ سلسلہ وہیں روک دیا گیا۔

اس وقت اس تحریر کی تسوید[(۴)] کا فوری سبب تو واقعتاً وہی بات بنی تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ لیکن اس کا ایک دوسرا اور عملی اعتبار سے اہم تر محرک، جسے میں نے اس وقت صریحاً بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا، یہ تھا کہ انہی دنوں متعدد گوشوں سے یہ بات سننے میں آئی تھی کہ لوگوں میں عام طور پر یہ چرچا ہے کہ ڈاکٹر اسرار کی تحریک کی اصل سرپرستی اور مالی معاونت، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کے اپنے ذاتی مصارف اور گذر بسر کا ذریعہ بھائی اظہار احمد صاحب کا ''تعاون'' ہے۔ گویا معاملہ وہ بن رہا تھا جس کی ''لفظی تصویر'' سورۂ آل عمران کی آیت ۱۸۸ میں وارد شدہ ان الفاظ میں سامنے آتی ہے کہ: ''اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا''، یعنی: ''ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں پر جو انہوں نے کیے ہی نہیں!'' جبکہ واقعہ یہ تھا کہ ۷۰ء کے بعد سے لے کر اس تحریر کی تسوید تک ہی نہیں، آج تک بھی، بھائی اظہار کا ایک پیسے تک کا تعاون مجھے ذاتی اعتبار سے۔ یا میری تحریک اور تنظیم کو اجتماعی سطح پر حاصل نہیں ہوا۔ بیس برس سے زائد عرصے پر محیط اس ''قاعدہ کلیہ'' میں صرف دو استثناءات[(۵)] ہیں، اور وہ بھی اختیاری نہیں جبری۔ (i) ایک یہ کہ جس دور میں اظہار لمیٹڈ کے مینیجنگ ڈائریکٹر برادرم اقتدار احمد بن گئے تھے، اس زمانے میں انہوں نے اپنے

---

(۱) بیعت کرنے والا (۲) ناقابل بیان (۳) فکر مند (۴) تحریر (۵) الگ باتیں

اختیارِ خصوصی سے یکمشت ایک لاکھ روپے کی اعانت بھی مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تھی، اور بھائی اظہار کو بھی ''جبراً'' انجمن کا ممبر بنوا دیا تھا، جس کا ''ماہانہ چندہ'' ان کی جانب سے بعد میں بھی آتا رہا۔ اور (ii) ایک خاص مرحلہ پر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں کاروبار میں غیر معمولی نفع عطا کیا تھا، انہوں نے اپنے غریب بھائیوں اور بہنوں کو ایک ایک لاکھ روپے بطور امداد تقسیم کیے تھے، جس کی پیشکش مجھے بھی کی گئی تھی--- بلکہ والدہ صاحبہ مکرمہ کے ہاتھوں وہ رقم مجھ تک پہنچا بھی دی گئی تھی--- لیکن الحمدللہ کہ میں نے اسے ؏ 'غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول' کے مصداق رد کر دیا تھا۔ اور جو رقم والدہ صاحبہ کے جذبات کے لحاظ کی بنا پر ان کے دستِ شفقت سے ''وصول'' کر لی تھی وہ بھائی اظہار کو 'باعزت' طور پر واپس کر دی۔ اور یہ اس لیے کہ چونکہ انہوں نے میرے مشن میں شرکت اور شمولیت اختیار نہیں کی تھی، لہٰذا یہ ان کا خالص ''ذاتی تعاون'' تھا جسے میری ''غیرتِ فقر'' نے گوارا نہیں کیا۔

اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ ۷۲ء۔ ۱۹۷۱ء کے بعد سے جو مالی تعاون بھی، خواہ ذاتی سطح پر، خواہ تنظیم و تحریک یا انجمن کی سطح پر بھائیوں میں سے کسی سے بھی مجھے حاصل ہوا، وہ صرف برادرم اقتدار احمد کی جانب سے تھا۔ بہت بعد میں اس میں اضافہ برادرِ عزیز وقار احمد کے تعاون کی صورت میں ہوا۔ گویا اگر وضاحت نہ کر دی جاتی تو جو کریڈٹ [1] فی الحقیقت برادرم اقتدار احمد کا حصہ تھا، وہ بالکل ناجائز اور ناروا [2] طور پر بھائی اظہار کو مل رہا تھا۔ چنانچہ اس تحریر سے پیشِ نظر یہ تھا ''حق بحقدار رسید'' [3] والا معاملہ ہو جائے اور لوگوں کو اصل حقیقت کا علم حاصل ہو جائے، یعنی اس کی تو وضاحت ہو گئی تھی کہ جو عارضی اور وقتی ''جبری'' تعاون بھائی اظہار کی طرف سے ۶۹ء۔ ۱۹۶۷ء کے دوران مجھے حاصل رہا تھا اس کا سلسلہ اوائل ۷۰ء ہی میں منقطع ہو گیا تھا--- لیکن ابھی ''اثبات'' کی نوبت نہیں آئی تھی یعنی ''حق بحقدار رسید'' والا معاملہ نہیں بنا تھا اور برادرم اقتدار کے تعاون کا تذکرہ شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ تحریر کا سلسلہ رک گیا اور بات ادھوری ہی رہ گئی۔

---

(۱) فائدہ (۲) ناجائز (۳) حقدار کو حق پہنچ گیا

اس ''بین الاخوانی'' معاملے کے علاوہ اس تحریر کا ایک اور مقصد بھی تھا جو ع 'جو مجھ سے، تجھ سے عظیم تر ہے!'' کے مصداق بقیہ تمام 'اسباب'' سے ''عظیم تر'' تھا، اور وہ تھا خدائے بزرگ و برتر، اور ربِّ عظیم و اکبر، اور اس کے ایک حقیر اور ناچیز بندے کے مابین تعلق کا معاملہ یا صحیح تر الفاظ میں ع 'چوں معاملہ نہ دارد، سخن آشنا نہ باشد!''[۱] کے مصداق اللہ اور اس کے ایک بندے کے مابین 'معاملے'' کی بات! جس کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے۔

انسان کی دنیوی زندگی کا اصل مقصد از روئے قرآن ''امتحان و ابتلاء'' ہے، جس کے بہت سے مراحل اور مدارج ہیں (جن کا ایک حسین پیرائے میں بیان 'بحمد اللہ' راقم کے قلم سے ''حج اور عید الاضحیٰ'' کے موضوع پر تحریر میں حضرت ابراہیمؑ کے تذکرے کے ضمن میں ہوا ہے!)---- چنانچہ اس کا ایک درجہ اور مرحلہ وہ ہے جس کا ذکر سورۂ انفال میں '' وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ''[۲] (آیت ۱۷) کے الفاظِ مبارکہ میں ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بسا اوقات اپنے بندوں کو ایسے امتحانات سے دوچار کر دیتا ہے کہ اگر وہ ہمت کر کے ان سے کامیابی کے ساتھ گزر جائیں (اور یہ ہمت بھی اسی کی عطا کردہ ہوتی ہے) تو اس سے ان میں ایک جانب اللہ پر توکل میں اضافہ ہو جائے، اور دوسری جانب کسی قدر ''خود اعتمادی'' بھی پیدا ہو جائے! میرے ساتھ ایک ایسی ہی صورت ۷۰ء میں شدت کے ساتھ پیدا ہو گئی تھی جس سے فروری ۷۱ء میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خصوصی فضل و کرم کے طفیل کامیابی سے گزار دیا۔

میری چار برس قبل کی اس تحریر میں، جو اس کتابچے میں باب دوم کی حیثیت سے شامل ہے، پوری تفصیل بیان ہو چکی ہے کہ ۷۰ء میں اپنی صحت اور مالی حالت دونوں کے اعتبار سے کس قدر سخت آزمائش سے دوچار ہو گیا تھا، اور ایک جانب دنیا اور اس کی ضروریات، اور حالات و واقعات کے تلخ اور سنگین حقائق، اور دوسری جانب دین اور مقصدِ حیات کے مشکل اور کٹھن تقاضوں کے

---

(۱) جب تک معاملہ نہ کیا جائے سخن آشنائی نہیں ہو سکتی

(۲) تا کہ اس سے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے خوب اچھی طرح سے جوہر نکھار دے

مابین شیکسپیر کے الفاظ "To be or not be is the question"[1] میں بیان شدہ کیفیت کس شدت کے ساتھ پیدا ہوگئی تھی---- یہ امتحان، ظاہر بات ہے کہ، ہرگز اس درجہ سخت اور شدید نہ ہوتا اگر بھائیوں میں سے کسی کا بھی کوئی تعاون اس وقت مجھے حاصل ہوتا! چنانچہ اسی کی جانب میں نے اپنی اس تحریر میں بھی ایک سے زائد مقامات پر اشارہ کیا ہے (اگر چہ صراحت اب کر رہا ہوں) یعنی برادرم اقتدار احمد سے پانچ چھ سال کی ''مغائرت'' اور بھائی اظہار کی جانب سے تعاون کا ''انقطاعِ کلّی''[2] ظاہری اسباب اور ان کے اپنے ارادوں اور نیتوں اور محرّکاتِ عمل سے قطع نظر، اصلاً ''منجانب اللہ'' تھا۔ اور میرے پروردگار نے مجھے اس فیصلہ کن سوال سے اس حالت میں دوچار کیا تھا کہ عالمِ اسباب میں کسی بھی تعاون اور مدد کا کوئی محسوس سہارا موجود نہ تھا۔ اور بحمد للہ و بفضلہٖ[3] میں نے اُس وقت جو فیصلہ کیا وہ اسی کی عطا کردہ توفیق سے صرف اور صرف اسی کی ذات پر ''توکل'' کی بنیاد پر تھا'' ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ''[4] (الحدید 21) ''ایں سعادت بزور بازو نیست۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ!''[5]

چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کی اسی سنتِ ابتلا[6] کے ابدی قوانین کا مظہر ہے کہ جیسے ہی میں فروری ۷۱ء میں حج کے موقع پر ''آخری فیصلہ'' کر کے واپس آیا، مسائل اور مشکلات کے بادل چھٹنے شروع ہو گئے اور صوفیاء کرام کی اصلاح میں ''فتوحات'' کا سلسلہ اور قرآن حکیم کے الفاظ مبارکہ ''وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰى ''[7] کا انعکاس شروع ہو گیا--- چنانچہ زیرِ حوالہ تحریر کا اہم ترین ''مقصد'' یہ تھا کہ اپنے نوجوان ساتھیوں اور صلبی[8] اور معنوی[9] بیٹوں کے سامنے یہ حقیقت کھول کر بیان کر دوں تا کہ زندگی کے آئندہ مراحل میں اگر وہ بھی کبھی کسی ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہو جائیں تو ہمت نہ ہاریں اور اولوالعزم انبیاؑ و رسل علیہم السلام اور صلحاء و اتقیاء رحمہم اللہ کی

---

(۱) بقا یا فنا کا سوال (۲) مکمل خاتمہ (۳) اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے فضل سے (۴) الحدید 21: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ (۵) یہ سعادت قوت سے حاصل نہیں کہ جا سکتی جب تک عطا فرمانے والا خدا عطا نہ کرے (٦) آزمائش کی سنت

(۷) الضحیٰ-8 (اور اس نے آپ ﷺ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا) (۸) حقیقی (۹) شاگرد

سیرتوں کے علاوہ مجھ ایسے ناتواں اور ناچیز کی ''آپ بیتی'' سے بھی حوصلہ پاسکیں (۱)!

بہر حال ''مَاشَاء اللّٰہُ کَانَ وَمَالَم یَشَأ لَم یَکُن ''(۲) کے مطابق اس وقت تو اس تحریر کا معاملہ نامکمل رہ گیا تھا۔ لیکن ''عَلٰی اَمرٍ قَدقُدِرَ''(۳) (القمر:۱۲) کے مصداق اور ''کُلُّ شَیءٍ مَرھُونٌ لِوَقتِہٖ''(۴) (الحدیث) کے مطابق لگ بھگ چار سال بعد اس کی تکمیل کا سبب پیدا ہو گیا۔ اور وہ اس طرح کہ ایک جانب بڑے بھائی اظہار احمد صاحب اور ان کے صاحبزادوں، اور دوسری جانب چھوٹے بھائی اقتدار احمد اور ان کے بیٹوں کے مابین کچھ کاروباری مخاصمت (۵) پیدا ہو گئی جس نے بعض دوسرے عوامل کے ساتھ مل کر ''بین لاخوانی'' تعلقات میں تلخی (۶) کا شدید زہر گھول دیا۔ ادھر بھائی اظہار صاحب کو ایک تو خود مجھ سے بھی بعض صحیح یا غلط شکایات تھیں، دوسرے ان کا خیال یہ بنا کہ میں برادرم اقتدار احمد کی ناجائز طرف داری (۷) سے کام لیتا ہوں۔ بِنا بَریں انہوں نے ۵/اگست ۱۹۹۲ء کو ایک جذباتی دباؤ کی کیفیت میں ایک نہایت زہریلی تحریر میرے اور عزیزم اقتدار احمد کے خلاف لکھ کر اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں (نامعلوم تعداد میں) بہت سے اعزّہ واقارب، یہاں تک کہ بعض کاروباری احباب کو بھی بھیج دیں۔

اس پر چاروناچار (۸)، اور واقعتاً بادلِ ناخواستہ (۹) مجھے بھی قلم اٹھانا پڑا جس کی تمہید ان الفاظ سے ہوئی:

۱۔ میرے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب نے جو تحریر میرے اور برادرم اقتدار احمد کے بارے میں حال ہی میں سپردِ قلم کر کے بعض اقارب و احباب کو پہنچائی ہے، اس نے مجھے ''گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل''(۱۰) کے مصداق شش و پنج اور گومگو (۱۱) میں مبتلا کر دیا ہے۔

---

(۱) اس موضوع پر ایک نہایت عمدہ انگریزی نظم ''A Psalm Of Life'' (ترانۂ حیات) اس کتابچے کے کور کے اندرونی صفحہ پر شائع کی جا رہی ہے۔ (۲) جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا (۳) ایک ایسے کام کے لیے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے (۴) ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے (۵) دشمنی۔ مخالفت (۶) سختی (۷) حمایت (۸) مجبوراً (۹) نہ چاہتے ہوئے بھی۔ مجبوری سے (۱۰) بات کہوں تو بھی مشکل اور نہ کہوں تو بھی مشکل (۱۱) کہو مت کہو۔ تذبذب

۲۔ اس لیے کہ اگر میں خاموش رہتا ہوں تو اِسے ان کے الزامات کو درست ماننے کے مترادف[1] سمجھا جائے گا۔اور اگر جواب دیتا ہوں تو حقائق و واقعات کے ساتھ ساتھ ان کے پس منظر حتیٰ کہ نیتوں اور محرّکاتِ عمل کا معاملہ بھی لازماً زیر بحث آتا ہے (جس کی ابتداء انہوں نے تو بہانگِ دہل[2] کر بھی دی ہے)۔اور اس طرح بہت سے نئے اور پرانے گندے کپڑوں کے برسرِ عام دھلنے کی صورت پیدا ہوگی۔

۳۔ میں پہلی ہی صورت اختیار کر لیتا اور یہ خطرہ بھی مول لے لیتا کہ نہ صرف بعض اقرباء اور احباب بلکہ میرے اپنے بچے بھی میرے بارے میں سوءِ ظن[3] میں مبتلا ہو جائیں (اس لیے کہ متنازعہ واقعات ان کے سنِ شعور[4] سے قبل کے زمانے سے متعلق ہیں)---- لیکن چونکہ میری ذات کے ساتھ ایک انجمن، ایک تنظیم، اور ایک تحریک کا معاملہ بھی وابستہ ہے، اور ع ''ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں!''[5] کے مصداق ان کی اس تحریر کا حملہ ان سب کی عزت اور وقار پر ہوا ہے----- لہٰذا تقریباً دس روز کے گہرے غور و فکر کے بعد میں نے مجبوراً قلم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

لیکن اس کے بعد جب قلم چلنا شروع ہوا تو اتنے مواد کی تسوید ہوگئی کہ عام کتابی سائز کے دو سو صفحات میں بمشکل سما سکے[6]۔اسی طرح برادرم اقتدار احمد نے جو جوابی تحریر تیار کی وہ میری تحریر سے بھی لگ بھگ دوگنی تھی۔(ان تحریروں کے بارے میں ایک وضاحت ''پس نوشت'' کے عنوان سے اس پیش لفظ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں) تاہم میری اس تحریر کا صرف قدرِ قلیل حصہ میرے مالی اور معاشی معاملات سے متعلق تھا۔اگرچہ اس کے ذریعے چار سال قبل کی تحریر میں جو کمی رہ گئی تھی بحمد اللہ اس کی تکمیل ہوگئی۔

---

(۱) ہم معنی (۲) نقارے کی آواز کے ساتھ - اعلانیہ (۳) بدگمانی (۴) شعور کی عمر (۵) تیرے تیرنے زمانے میں کوئی شکار نہ چھوڑا (۶) گنجائش

چنانچہ صفحاتِ آئندہ میں حسب ذیل حصے شامل کیے جا رہے ہیں:

اولاً جولائی ۸۸ء میں شائع شدہ قسط بہ تمام وکمال (اس لیے کہ اس میں ہمارے بین الاخوانی علائق اور تحریکِ اسلامی کے ساتھ تعلق کے آغاز کے ضمن میں تمہیدی امور شامل ہیں جو اس تحریر کی اشاعت کے مقصد کے اعتبار سے لازمی ہیں)۔

ثانیاً: اگست اور ستمبر ۸۸ء میں شائع شدہ اقساط میں سے صرف متعلق حصہ۔ (جو کل تحریر کے ثلث سے بھی کم ہے۔ اور اس میں سے بھی وہ جملے حذف [1] کر دیئے گئے ہیں جو ۸۸ء میں بھائی اظہار صاحب کو ناگوار گزرے تھے۔) اور

ثالثاً: اگست، ستمبر ۹۲ء میں تحریر شدہ طویل وضاحتی بیان کا صرف وہ قدرِ قلیل حصہ جو میری زندگی کے اصل اور شعوری دعوتی دور کے "حسابِ کم وبیش" پر مشتمل ہے۔ اور جو، جیسے کہ آغاز میں عرض کیا گیا تھا، اس تحریر کی اشاعت کے اصل مقصد کے اعتبار سے اہم ترین ہے۔

واضح رہے کہ یہ آخری حصہ ستمبر ۱۹۹۲ء کو سپردِ قلم ہوا تھا، جس پر اب لگ بھگ ڈیڑھ سال بیت چکا ہے۔ اور اس عرصے کے دوران بعض حالات میں جزوی تبدیلی بھی رونما ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں مناسب طریق یہ نظر آیا ہے کہ ۹۲ء کی تحریر تو جوں کی توں شائع ہو، البتہ حواشی کے ذریعے اسے آج کی تاریخ تک UPDATE [2] کر دیا جائے۔

ضمناً عرض ہے کہ بھائی اظہار احمد صاحب کے ساتھ تلخی اپنی انتہا کو پہنچ کر ۱۲ر دسمبر ۹۳ء کو اچانک طور پر اس طرح ختم ہوگئی کہ ان کی جانب سے ہمارے بہنوئی اللہ بخش سیال صاحب حسب ذیل تحریر لے کر آئے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

میرے ماں جائے بھائیو!--- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کافی دنوں سے ہماری آپس میں بول چال بند ہے۔ اس کی وجہ ہماری تحریریں ہیں۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ اپنی تحریر میں بعض باتیں غیر شعوری طور پر مجھ

---

(۱) خارج کر دینا (۲) تازہ ترین بنانا

سے غلط لکھی گئی تھیں۔ اور جواباً آپ دونوں بھائیوں نے بھی اپنی تحریروں میں میرے ساتھ زیادتیاں کی ہیں۔ میں اپنی تحریر کو بالکلیہ (۱) واپس لیتا ہوں اور ساتھ ہی لوجہ اللہ (۲) آپ کو معاف کرتا ہوں اور آپ سے بھی متوقع ہوں کہ آپ بھی مجھے معاف کردیں۔ اس سے بقول نبی اکرم ﷺ ہمارے والدین کی ارواح کو بھی تسکین ہوگی۔

بھائی اللہ بخش سیال صاحب اور عزیزم ڈاکٹر ابصار احمد کی کوششیں لائقِ صدتحسین (۳) ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین والسلام

تمہارا بڑا بھائی اظہار احمد عفی عنہ

بھائی اظہار صاحب کی اس تحریر پر ان کے فرزندِ اکبر عزیزم ایوب صابر کی بھی حسب ذیل EDNDORESMENT (۴) موجود تھی:

''محترم جناب بڑے چچا و محترم جناب اقتدار چچا

السلام علیکم!

میں محترم ابی جان کے شعوری اور غیر شعوری تسامحات (۵) پر معذرت خواہ ہوں۔

والسلام آپ کا بھتیجا ایوب صابر''

چنانچہ معاملہ رفع دفع (۶) ہوگیا--- اور اب یہ خیال ہوتا ہے کہ جیسے غزوۂ احزاب کے موقع پر کفر کی ساری یلغار کا مقصدِ وحید (۷) صرف اہلِ ایمان کے لیے ایک شدید آزمائش کی صورت پیدا کردینا تھا، اسی طرح ہمارے مابین یہ ساری تلخی صرف اس لیے پیدا ہوئی تھی کہ میری وہ تحریر جو ۸۸ء سے نامکمل پڑی تھی تکمیل کا مرحلہ طے کرلے!

بہرحال اب یہ ''حسابِ کم وبیش'' انجمن خدام القرآن کے وابستگان، تنظیمِ اسلامی کے رفقاء اور تحریکِ خلافت کے معاونین اور دیگر جملہ احباب و متعلقین کی خدمت میں ع ' سپردم بہ

---

(۱) مکمل طور پر (۲) اللہ کے لیے (۳) بہت تعریف کے قابل (۴) تصدیق (۵) لغزشیں (۶) ختم (۷) واحد مقصد

تو مایۂ خویش را!'' کی صورت میں پیش ہے۔ اگر یہ راہِ حق کے کسی ایسے مسافر کو جو حالات کی ظاہری ناموافقت کے باعث گھبرا رہا ہوا سے ازسرِ (۱) نو کمر ہمت (۲) کسنے پر آمادہ کر سکے تو شاید کہ یہ میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ فقط

خاکسار

اسرار احمد

لاہور ۹ رمئی ۱۹۹۴ء

پس نوشت (۳)

میری اور برادرم اقتدار احمد کی جوابی اور وضاحتی تحریریں، ظاہر ہے کہ اشاعتِ عام کے لیے تو تھیں ہی نہیں، البتہ یہ خیال ضرور تھا کہ بھائی اظہار صاحب سے ان لوگوں کی فہرست حاصل کر لی جائے جنہیں انہوں نے اپنی الزامی تحریر ارسال کی تھی تا کہ ہم بھی اپنی تحریریں انہیں بھجوا دیں۔ لیکن بوجوہ بھائی اظہار صاحب نے ہمیں وہ فہرست فراہم نہیں کی۔ چنانچہ ہم نے اپنے بیانات اپنی اولاد کے علم میں لانے کے علاوہ قریب ترین اعزّہ میں سے بھی صرف ان کو پہنچائے جن کے بارے میں ہمیں صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ بھائی اظہار کی تحریر ان تک پہنچی ہے۔ ان پر مستزاد (۴) راقم نے بھائی اظہار صاحب کی الزامی تحریر اور اپنا وضاحتی بیان ع ''آں را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک؟'' (۵) کے مصداق تنظیم اسلامی کے مرکزی ناظمین کو بھی پڑھوا دیئے تا کہ ان کے علم میں آ جائے کہ ان کے ''امیر'' پر اس کے بڑے بھائی نے کیا الزامات عائد کیے ہیں اور اس کے پاس ان کا کیا جواب ہے---- بعد میں جب بھائی اظہار صاحب نے اپنا پورا بیان ہی واپس لے لیا تو بحمد اللہ پورا معاملہ رفع دفع (۶) ہو گیا اور لگ بھگ ڈیڑھ سال تک جاری رہنے والی ذہنی کوفت اور قلبی اذیت کا خاتمہ ہو گیا----- تاہم صرف ایک بھائی کے ہاتھوں جو کیفیت مجھ پر بیتی اس سے مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ابتلاء

---

(۱) نئے سرے سے (۲) مستعد ہونا۔ تیار ہونا (۳) تحریر کے بعد (۴) مزید (۵) جس کا حساب درست ہو اس کو محاسبے کا کیا ڈر (۶) ختم

اور امتحان کی شدت کا ہلکا سا اندازہ ہو گیا جو ایک نہیں دس بھائیوں کے بغض وعداوت ،اور عناد وشقاق (دشمنی اور مخالفت) کی بنا پر آنجناب کو پیش آیا تھا۔ بہر حال یہ تو ع ''جن کے رتبے ہیں سوا، ان کی سوا مشکل ہے!'' اور ع ''دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر (شراب نوش کو اس کی حیثیت کے مطابق جام دیتے ہیں)!'' والا معاملہ ہے۔ مجھ ایسے کمزور انسان کے لیے تو یہی بہت ہے کہ رحمتِ خداوندی نے ''اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ''[1] (سورۃ یوسف: آیت ۱۰۰) کے بعد جلد ہی ''اِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ''[2] (یوسف: آیت ۹۱) والی صورت پیدا فرمادی۔ فَلَہُ الْحَمْدُ۔!

---

(۱) ''کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائی کے درمیان دشمنی ڈال دی تھی''

(۲) ''یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔''

باب اوّل

تحریکی اور ''بین الاخوانی'' پس منظر

(شائع شدہ ''میثاق'' جولائی ۱۹۸۸ء)

ہمارے خاندان کا مولانا مودودی مرحوم کی تصانیف اوران کی دعوت وتحریک سے اولین تعارف بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کے ذریعے ہوا۔ جنہوں نے اپنی انجینئرنگ کی تعلیم کے دوران جماعت اسلامی کے لٹریچر کو نہ صرف پڑھ لیا تھا، بلکہ اپنی محنتی طبیعت کے مطابق اس کے مفصل نوٹس تیار کر کے گویا اسے اچھی طرح ہضم بھی کر لیا تھا--- ۱۹۴۷ء کے وسط میں وہ تعلیم سے فارغ ہوئے۔ اور پھر تین چار ماہ تقسیم ہند کے حوادث سے دوچار رہنے کے بعد اسی سال کے اواخر (۱) میں ایک جانب محکمہ نہر میں ایس ڈی او کے عہدے پر فائز ہو گئے---- اور دوسری جانب جماعت اسلامی کے رکن بن گئے!

جماعت سے تعلق کے ضمن میں ان کے ساتھ ایک عجیب حادثہ پیش آیا کہ جب حکومت نے جماعت اسلامی کو سیاسی جماعت قرار دے کر سرکاری ملازمین کے لیے اس کی رکنیت ممنوع کر دی تو انہوں نے ذاتی اور خاندانی مجبوریوں کے باعث رکنیت سے استعفاء دے دیا--- لیکن ۱۹۵۱ء میں جب جماعت نے پنجاب کے انتخابات میں زور شور سے حصہ لیا تو وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے اور انہوں نے اپنی ذاتی کار انتخابی مہم میں استعمال کے لیے جماعت کے حوالے کر دی، جس کی پاداش میں وہ سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے!---- بعد ازاں شدید محنت و مشقت اور اپنی فنی مہارت و قابلیت کے بل پر اپنی آزاد معیشت کو استوار (۲) کرنے کے بعد وہ دوبارہ جماعت کے رکن بنے تو اس بار جماعت کی پالیسی اور طریق کار کے ضمن میں جو شدید اختلاف ۵۷-۱۹۵۶ء میں رونما ہوا تھا اس کا شکار ہو گئے اور نہایت مایوس اور بددل ہو کر دوبارہ علیحدہ ہو گئے اور اس بار ان کی مایوسی اور بددلی اتنی شدید تھی کہ انہوں نے باضابطہ استعفاء تحریر

(۱) آخر کی جمع (۲) مضبوط

کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی!

وہ دن اور آج کا دن، ان کی جملہ صلاحیتیں اپنے فن اور کاروبار کے لیے وقف ہو کر رہ گئیں---اور اگرچہ پالیسی کے اختلاف کے ضمن میں ان کی رائے صدفی صد راقم کی رائے کے مطابق تھی، چنانچہ اجتماع ماچھی گوٹھ میں جو چند ووٹ راقم کو ملے تھے ان میں سے ایک ان کا بھی تھا---- لیکن اس کے بعد ان میں تحریکی داعیہ [۱] دوبارہ کبھی پیدا نہ ہو سکا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر ایک بار پھر ان کے جذبات میں ایک عارضی سا ابال [۲] آیا تھا جس کی بنا پر انہوں نے جماعت اسلامی کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کی ایک نشست کے لیے بڑے جوش وخروش اور جذبہ وشوق کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ لیکن انتخابات کے نتائج نے انہیں پہلے سے بھی زیادہ مایوس اور بددل کر دیا---- چنانچہ کچھ عرصہ اسی مایوسی اور بددلی، اور کچھ بعض دوسرے اسباب وعوامل کے باعث وہ راقم کی دعوت وتحریک کے ساتھ، اس سے نظری طور پر بہت حد تک متفق ہونے کے باوجود، تا حال عملاً منسلک [۳] نہیں ہو پائے!

یہ بھی یقیناً راقم پر اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل واحسان کا مظہر ہے کہ اس کے باقی تینوں حقیقی بھائی، واحد حقیقی چچا زاد بھائی سمیت، اس کے مشن میں عملاً شریک وشامل اور تنظیم اسلامی سے باضابطہ منسلک ہیں۔

ان میں سے سب سے چھوٹے یعنی ڈاکٹر ابصار احمد سے رفقائے تنظیم وانجمن، اور قارئین ''میثاق'' و''حکمتِ قرآن'' بخوبی واقف ہیں، اس لیے کہ وہ تنظیم اسلامی میں باضابطہ شامل ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن اکیڈمی کے اعزازی ڈائریکٹر اور ''حکمت قرآن'' کے اعزازی مدیر بھی ہیں۔

عمر میں ان سے بڑے ہمارے واحد عم زاد [۴] مظفر احمد منور ہیں جو کراچی یونیورسٹی کے انتظامی شعبے سے منسلک اور تنظیم اسلامی کراچی سے وابستہ ہیں۔ کچھ عرصہ قبل تک وہ نہایت فعال رکن تھے۔ لیکن اولاً اپنی والدہ مرحومہ کی شدید اور طویل علالت، پھر اپنی اہلیہ کی ناسازیِ طبع [۵] اور پھر اپنے ایک چھوٹے بچے کی پریشان کن علالت کے باعث اگرچہ زیادہ فعال نہیں

---

(۱) خواہش (۲) جوش (۳) جڑنا (۴) چچازاد (۵) طبیعت کی خرابی

رہے[۱] ---- تاہم نظم کی پابندی میں ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کرتے! (افسوس کہ برادر مظفر احمد بھی ۱۵؍اکتوبر ۱۹۹۷ء کو ایک نہایت المناک حادثے میں ہلاک ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!)

ان سے بڑے یعنی برادرم وقار احمد اگرچہ نہایت کم گو[۲] ہونے کے باعث زیادہ نمایاں نہیں ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ چوالیس پینتالیس برس کی عمر میں، جوان بچوں کے باپ اور دونواسوں کے نانا ہونے کے باوجود، اور ایک معروف تعمیراتی فرم کے ڈائریکٹر اور کاروباری اعتبار سے نہایت مصروف ہونے کے باوصف[۳] انہوں نے جس طالب علمانہ شان کے ساتھ قرآن اکیڈمی کا دوسالہ تعلیمی کورس امتیازی حیثیت میں مکمل کیا، وہ ان کی سعادت، دین کے ساتھ لگن اور راقم کے مشن کے ساتھ گہری وابستگی کا بیّن ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ان کی زبان کا ''عقدہ''[۴] کھول دے اور ان کی طبیعت کی جھجک دور فرمادے تو ان شاء اللہ وہ قرآن حکیم کے درس وتدریس اور تعلیم وتعلّم کے میدان میں نہایت نمایاں خدمات سرانجام دے سکیں گے۔ (جس کا آغاز انہوں نے، بحمد اللہ، اپنے بچوں اور بچیوں کو عربی زبان اور ترجمہ قرآن کی تدریس کی صورت میں کر بھی دیا ہے)

ان میں سب سے بڑے ---- اور مجھ سے متصلاً چھوٹے ہیں مدیر ''ندا'' برادرم اقتدار احمد، جن کے ساتھ حقیقی بھائی ہونے کے اساسی رشتے پر مستزاد راقم کے چار مزید رشتے قائم ہو چکے ہیں، یعنی ان کی دو بچیاں میرے دو بیٹوں کے گھروں کی زینت ہیں[۵] اور میری دو بچیاں ان کی بہوئیں ہیں، لیکن ان جُملہ رشتوں سے اہم تر معاملہ یہ ہے کہ وہ میرے نہایت دیرینہ معاون اور رفیق کار ہیں، اور تحریک اسلامی کے ساتھ ان کا تعلق بھی تقریباً اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود میرا!

چنانچہ جن دنوں راقم میڈیکل اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے اسلامی جمعیت طلبہ کا فعال کارکن تھا، وہ بھی ہائی اسکول کے طالب علم کی حیثیت سے سرگرم کار تھے۔ اور ۵۱۔۵۰ء کی انتخابی مہم میں

---

(۱) افسوس کے بعد میں یہ غیر معمولی طور پر ذہین اور ہونہار بچہ بھی انہیں داغ مفارقت دے گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (۲) کم بولنے والا (۳) باوجود (۴) گرہ (۵) ان میں مزید اضافہ حال ہی میں ہوا ہے جب میرے سب سے چھوٹے بیٹے کی شادی بھی ان ہی کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سے ہوگئی۔

بھی انہوں نے انتھک کام کیا تھا----اور دسمبر ۵۱ء کی اس دس روزہ تربیت گاہ میں بھی شرکت کی تھی جو راقم نے بحیثیت ناظمِ جمعیت لاہور منعقد کی تھی اور جس کے نہایت دوررس [(۱)] اثرات خود راقم کی شخصیت اور بعد کی زندگی کے رخ پر مترتّب ہوئے تھے!

۵۲ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ خاندانی حالات اور زیادہ تر ذاتی نفسیاتی الجھنوں کے باعث نہ صرف یہ کہ ان کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا بلکہ کچھ عرصہ وہ نہایت شدید نفسیاتی بحران کا شکار رہے۔ راقم کو نہایت شدت کے ساتھ احساس تھا کہ ان کی نفسیاتی الجھنوں کے پیدا ہونے میں کچھ حصہ الفاظِ قرآنی ''اِنَّ كَثِيراً مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ'' [(۲)] (سورۂ ص: ۲۴) اور فارسی مقولے ''سگ باش برادرِ خورد مباش!'' [(۳)] کے مصداق ہم بڑے بھائیوں----بالخصوص راقم کا بھی تھا۔ لہٰذا راقم نے اس کی تلافی اور ان کی دلجوئی کی ہر ممکن کوشش کی اور ان ہی مساعی [(۴)] کے سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر سردار محمد اجمل خان لغاری مرحوم و مغفور کے ساتھ اپنے ذاتی مراسم اور رسوخ [(۵)] کو بروئے کار [(۶)] لا کر مولانا محمد ایوب صاحب کی صاحبزادی سے ان کی شادی کا اہتمام کیا۔ (مولانا ان دنوں سردار صاحب کے یہاں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے! اور جماعت اسلامی کے ساتھ فعال وابستگی رکھتے تھے۔) اور بحمد اللہ! اس کے نہایت صحت مند نتائج ظاہر ہوئے----اور نہ صرف یہ کہ آں عزیز کی زندگی کی گاڑی صحیح پٹڑی پر پڑ گئی بلکہ پھر انہوں نے اپنی تعلیمی کمی کی بھی بھرپور تلافی کی---اور گیارہ ماہ کے اندر اندر تین امتحان پاس کر لیے، اولاً ادیب فاضل پھر ایف اے اور پھر بی اے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے لاہور کا رخ کیا اور ایک جانب اسلامیہ کالج سول لائن میں ایم اے انگلش کے لیے اور دوسری جانب لاء کالج میں ایل ایل بی میں داخلے کے لیے آزمائشی ٹیسٹ دیئے، اور دونوں میں کامیابی حاصل کر کے بالفعل [(۷)] داخلہ ایل ایل بی میں لے لیا----اور اس کے ساتھ ساتھ اولاً ڈیڑھ دو ماہ روزنامہ ''تسنیم'' اور بعد ازاں ہفت روزہ ''ایشیا'' میں کام کرنا شروع

---

(۱) دور تک پہنچنے والے (۲) یقیناً مشترک معاملہ رکھنے والوں میں سے اکثر ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں (۳) کتا بن جا چھوٹا بھائی نہ بن (۴) مسعات کی جمع۔ کوششیں (۵) رسائی (۶) استعمال کرنا (۷) عملاً

کر دیا اور مؤخر الذ (۱) کر کے سلسلے میں تو اتنی کامیابی حاصل کر لی کہ ملک نصر اللہ خان مرحوم و مغفور نے اپنی آپ بیتی پر مشتمل ایک کالم کے سوا باقی پورا پرچہ ان کے حوالے کر دیا۔ اور انہوں نے بھی چھ ماہ کے اندر اندر اس کی اشاعت میں معقول اضافہ کر کے دکھا دیا۔

اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے بھائی جان کی شدید محنت اور مشقت کے صلے میں ان کے کاروبار میں برکت عطا فرمادی تھی اور ان کی تعمیراتی فرم کا کام کافی وسعت اختیار کر گیا تھا، جس کے لیے انہیں معاون ہاتھ درکار تھے۔ چنانچہ ان کی دعوت پر عزیزم اقتدار احمد نے بقول خود قلم ہاتھ سے رکھ کر بیلچہ تھام لیا۔ اور الحمد للہ کہ اس میدان میں بھی ان کی طبعی ذہانت نے جلد ہی اپنا لوہا منوالیا۔ بعد میں بھائی جان نے ان کے، اور ان سے چھوٹے بھائی عزیزم وقار احمد کے لیے جنہوں نے بی ایس سی کا امتحان پاس کر لیا تھا، پرائیویٹ ٹیوشن کے ذریعے سول انجینئرنگ کی تعلیم کا اہتمام بھی کر دیا۔ جس کے نتیجے میں انہیں اس کاروبار کے ضمن میں عملی مہارت کے ساتھ ساتھ فنی بصیرت بھی حاصل ہو گئی----اور اس طرح یہ دونوں چھوٹے بھائی پیشہ اور کاروبار کے اعتبار سے مستقلاً اس ''شاہراہ'' پر گامزن ہو گئے جس کا ''افتتاح'' بھائی جان نے کیا تھا!

اس دوران میں خود راقم الحروف ۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی کی رکنیت اور جماعت کی ڈسپنسری کی ملازمت کو خیر باد کہنے کے بعد از سرِ نو اپنی معاشی زندگی کی بنیاد استوار کرنے اور تحریکی وابستگی کی نئی راہیں متعین کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ میں نے اپنا ذاتی مطب مستحکم (ESTABLISH) کر لیا تھا اور دوسری جانب کچھ عرصہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے ''بزرگوں'' کے کوچوں کا طواف کرنے اور ذاتی سطح پر منٹگمری ہی میں ''حلقہ مطالعہ قرآن'' اور ''دارالمقامہ'' کے نام سے ایک ہاسٹل کے قیام کے ذریعے اپنے مقصدِ زندگی کی لگن اور تحریکی جذبے کی تسکین کا سامان فراہم کر لیا تھا۔ اس ہاسٹل کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ کالج میں زیرِ تعلیم طلبہ کے لیے دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ اور الحمد للہ کہ برادر عزیز مظفر احمد منور اور برادرم ڈاکٹر ابصار احمد کے فکر و نظر کی داغ بیل اسی ہاسٹل میں پڑی اور ان کی زندگی کا رخ یہیں متعین

---

(۱) جس کا ذکر بعد میں ہوا

ہوا۔

میں اپنی ان مصروفیات میں پوری طرح مگن [1] اور مطمئن تھا کہ اچانک بھائی جان کی جانب سے مجھے بھی اپنے کاروبار میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی، خود اپنے بارے میں اس ''اعتراف'' کے ساتھ کہ ''میرے پاس فنی صلاحیت اور مہارت تو موجود ہے، تنظیمی اور انتظامی صلاحیت بالکل نہیں ہے'' اور میرے بارے میں اس ''مغالطے'' کے باعث کہ ''تمہیں اللہ نے یہ صلاحیتیں وافر [2] مقدار میں عطا کی ہیں!''---اس سلسلہ میں انہوں نے ایک جانب والدین سے بھی سفارش کرائی اور دوسری جانب خود مجھ پر ٹرپ کا یہ پتہ [3] آزمایا کہ ''تم اپنی میڈیکل پریکٹس کے ساتھ دعوت اور تحریک کا کام کرسکو گے؟ بہتر یہ ہے کہ کچھ دن اس کاروبار میں وقت لگا کر اس کے انتظامی ڈھانچے کو استوار کر دو، پھر ہم تمہیں دین کے کام کے لیے مستقل طور پر ''فارغ'' کر دیں گے!''--- تحریک اسلامی کے ساتھ میری شدید جذباتی وابستگی نے مجھے اس دلیل کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا---اور میں نے بھی ان کی دعوت قبول کرلی۔ چنانچہ میں قریشی کنسٹرکشن کمپنی لیٹڈ کا حصہ دار بھی بن گیا، اور اس کا ڈائریکٹر اور جنرل منیجر بھی! اور میرے ذاتی مطب نے بھی اسی کمپنی کی جانب سے ایک خیراتی ہسپتال (WELFARE CLINIC) کی حیثیت اختیار کرلی۔

لیکن جلد ہی راقم نے محسوس کرلیا کہ یہ تو ''دام ہم رنگِ زمین'' [4] ہے، اس لیے کہ اولاً یہ کام جس قدر محنت اور توجہ کا طالب ہے اس کے پیش نظر اندیشہ ہے کہ کہیں میں مستقل طور پر اسی میں ''گم'' ہو کر نہ رہ جاؤں--- مزید برآں یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ اعلیٰ معیارِ زندگی کی بیڑیاں پاؤں میں مستقل طور پر نہ پڑ جائیں، ثانیاً ہم دونوں بھائیوں کے مزاج اور اندازِ کار کا فرق قدم قدم پر پیچیدگیوں کا باعث بن رہا تھا، جس سے فوری طور پر ذہنی کوفت اور وقت اور صلاحیت کے ضیاع [5] کے علاوہ یہ اندیشہ بھی موجود تھا کہ کہیں مستقبل کے اعتبار سے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں کہ کہاں تو مقصد یہ تھا کہ احیائے اسلام کے لیے مشترک جدوجہد کریں گے کہاں یہ کہ باہمی

---

(۱) خوش (۲) بہت (۳) یقینی چال (۴) زمین کا ہم رنگ جال (۵) ضائع ہونا

اخوت کا رشتہ بھی مجروح[۱] ہو جائے!

بِنابَریں، میں نے کاروبار میں شرکت کے بعد جلد ہی واپسی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ پورے خاندان کا مسئلہ بن گیا تھا اور اس میں ہم چار بھائیوں کے علاوہ ایک بہنوئی بھی شامل تھے لہٰذا اس شراکت کو ختم کرنے میں کچھ وقت لگا----او اگر چہ اس کے دوران بھائی جان مجھے ہر طرح سمجھاتے رہے کہ میں علیحدگی اختیار نہ کروں لیکن میرا حال یہ تھا کہ ''دام ہمرنگِ زمین'' سے نکلنے میں مجبوراً جو تاخیر ہو رہی تھی اس کا ایک ایک لمحہ سوہانِ روح[۲] بن گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار بھائی جان نے فرمایا: ''اسرار تم ذرا محنت کر لو تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم ہشتم خاں سے بڑے کنٹریکٹر بن سکتے ہو۔'' (یہ نام میں نے پہلی بار ان ہی کی زبان سے سنا تھا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ صاحب کوئی کروڑ پتی قسم کے ٹھیکیدار تھے۔) جس کا جواب میں نے یہ دیا تھا کہ ''بھائی جان مجھے یہ کام کرنا ہی نہیں ہے۔ مجھے اگر پیسہ ہی بنانا مقصود ہو تو اللہ نے جو 'پیشہ' مجھے عطا فرمایا تھا (یعنی میڈیکل پریکٹس) وہ بھی کچھ ایسا برا نہ تھا!''

بہر حال راقم ۱۹۶۵ء میں کراچی سے رسی تڑا کر (جہاں ۶۲ء میں اسی کاروبار کے سلسلے میں منتقلی ہوگئی تھی اور جہاں مزارِ قائداعظم کے قریب اس کوٹھی میں قیام رہا تھا جس میں بعد میں پیپلز پارٹی کا سنٹرل سیکرٹیریٹ قائم ہوا) سیدھا لاہور پہنچا، اس لیے کہ ع ''کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے!'' کے مصداق کسی انقلابی دعوت و تحریک کا آغاز ملک کے کسی ''اُم القریٰ''[۳] ہی سے ہو سکتا تھا---اور اس وقت میں نے اپنی زندگی کے اس عجیب و غریب حادثے پر نگاہِ بازگشت[۴] ڈالی تو یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ الفاظ قرآنی ''ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوۡسٰی''[۵] (طٰهٰ: 40) کے مصداق اس پورے معاملے میں یہ حکمتِ خداوندی اور مشیت ایزدی مضمر تھی کہ مجھے ساہیوال سے اکھاڑ کر لاہور لے آیا جائے---اور یہاں اپنی زندگی کے نئے

---

(۱) زخمی (۲) زندگی لے لیے باعث تکلیف (۳) بستیوں کی ماں، مرکزی شہر (۴) واپس پلٹ کر نگاہ ڈالی

(۵) پھر تم یہاں آ گئے ایک طے شدہ فیصلے کے مطابق اے موسیٰ!

سفر کے آغاز کے لیے ابتدائی سرمایہ بھی فراہم کر دیا جائے۔

چنانچہ کاروبار سے علیحدگی پر جو خطیر رقم[1] میرے حصے میں آئی، اس سے میں نے:

(۱) ایک دو منزلہ مکان کرشن نگر لاہور میں خریدا جس میں اتنی گنجائش موجود تھی کہ رہائشی ضروریات بھی پوری ہو جائیں، اور مطب بھی قائم ہو سکے۔

(۲) ''دار الاشاعت الاسلامیہ'' قائم کیا جس کے تحت سب سے پہلے میری اپنی تالیف ''تحریک جماعت اسلامی، ایک تحقیقی مطالعہ'' شائع ہوئی اور پھر مولانا امین احسن اصلاحی کی تصانیف اور تفسیر ''تدبر قرآن'' ----اور میرے ابتدائی دعوتی کتابچوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

(۳) ماہنامہ ''میثاق'' جاری کیا، جو کچھ عرصے سے بند تھا، چنانچہ اس کے ضمن میں کچھ سابقہ واجبات بھی مجھے ادا کرنے پڑے!

الغرض اس طرح مجھے اپنی زندگی کے اس نئے سفر کے آغاز میں کوئی دقت نہیں ہوئی، جس کے اہم نشانات راہ ہیں: ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تاسیس، اور اس کے تحت قرآن اکیڈمی کا قیام ----اور ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کی تاسیس اور اس عنوان کے تحت اقامتِ دین کی ایک انقلابی جدوجہد کا آغاز!

انگریزی زبان کے ایک مشہور مقولے[2] کا حاصل یہ ہے کہ علیحدگیاں ہمیشہ تلخیوں کو جنم دیتی ہیں---ہماری کاروباری علیحدگی بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ[3] نہ رہ سکی اور بھائی جان کے ضمن میں تو وہ صورت پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو کر رہی جس کا اندیشہ میری علیحدگی کے اسباب میں داخل تھا۔ چنانچہ ان کے ساتھ ایک طویل عرصے تک تعلقات نہایت کشیدہ رہے۔ خود عزیزم اقتدار احمد کے ساتھ اگرچہ کوئی براہ راست تلخی تو پیدا نہیں ہوئی، لیکن غیر محسوس طور پر مغائرت[4] کے پردے حائل ہوتے چلے گئے۔ (اور اس میں بھی جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا، اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم حکمت مضمر تھی!)

ہماری کاروباری علیحدگی جس انداز میں ہوئی، اس کے نتیجے میں برادرم اقتدار احمد کو ایک مستحکم

---

(۱) کثیر رقم (۲) ''PARTINGS ARE ALWAYS PAINFUL'' (۳) الگ (۴) اجنبیت

کاروباری ادارے کے مالک ومختار ہونے کی حیثیت حاصل ہوگئی، اوراس طرح ان کی ذہانت اور صلاحیت کوبھرپور طور پر بروئے کار آنے کا موقع ملا۔اوراس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اپنی خداداد لیاقت اور شدید محنت ومشقت کے نتیجے میں نہایت شاندار کامیابی حاصل کی اوراس میدان میں فتح وکامرانی کے بہت سے بلند اور نمایاں جھنڈے نصب کیے۔(اوراس کے نتیجے میں ہماری معاشی سطح میں جونمایاں فرق وتفاوت [۱] پیدا ہوا، اس نے ہمارے مابین مغائرت کے پردوں کومزید دبیز [۲] کردیا!)

(۱) فاصلہ (۲) موٹا

۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۱ء

دعوت و تبلیغ کی خالص انفرادی مساعی

کے دوران

معاش اور معاد کی شدید کشاکش

اور بالآخر

خالصةً توکلاً علی اللّٰہ

میڈیل پریکٹس کو خیرباد کہنے کا

آخری فیصلہ

وَمَنْ یتوکّل عَلَی اللّٰہِ فھو حَسْبُہٗ

الطلاق: ۳

(شائع شدہ ''میثاق'' اگست، ستمبر ۱۹۸۸ء)

اواخر ۶۵ء سے اواخر ۷۰ء تک پانچ سال کا عرصہ راقم کی زندگی کا مصروف ترین اور شدید ترین مشقت کا دور تھا، جس کے دوران مختلف ہی نہیں متضاد قسم کی مصروفیات کا شدید دباؤ راقم پر رہا۔

یادش بخیر [۱]، محنت و مشقت کی شدت کے اعتبار سے ان ایام کا مقابلہ اگر کسی درجہ میں کر سکتے ہیں تو صرف ۵۰ء کے وہ تین چار سال جو اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ انتہائی فعال وابستگی میں گزرے تھے، اور جن کے دوران اولاً میڈیکل کالج کی نظامت، پھر لاہور اور پنجاب کی دوہری نظامت اور بالآخر پورے پاکستان کی نظامتِ علیا [۲] کا بوجھ راقم کے کندھوں پر رہا تھا۔

شدید مشقت کے اس دورِ ثانی (۶۵ء تا ۷۰ء) کی مصروفیات کا کسی قدر اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ:

ایک جانب مطب کی مصروفیت تھی جس میں صبح سے شام تو ہوتی ہی تھی، اس پر مزید یہ کہ چونکہ رہائش اور مطب یکجا [۳] تھے، لہٰذا رات کا آرام بھی یقینی نہ تھا۔ اور اکثر ''تہجد بالمرضیٰ'' یعنی مریضوں کے ساتھ شب بیداری'' کی صورت پیش آتی رہتی تھی۔

دوسری جانب ''حلقہ ہائے مطالعہ قرآن'' تھے جو لاہور کے مختلف گوشوں میں قائم تھے اور جن سے ہفتے کی کوئی شام مستثنیٰ نہ تھی۔ ان میں سے جو حلقے دور دراز کے علاقوں میں قائم تھے وہ تو مریضوں کی یلغار سے محفوظ رہتے تھے، لیکن جو دو حلقے خود کرشن نگر میں قائم تھے ان کے ضمن میں تو اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اِدھر میں درس دے رہا ہوتا تھا اور اُدھر دروازے پر مریض یا ان کے لواحقین منتظر ہوتے تھے۔ شام کے ان دروس پر مستزاد تھا جمعہ کا خطبہ و خطاب اور اتوار کی صبح کا مرکزی درسِ قرآن! گویا ہفتے کا کوئی پورا دن تو کجا، دن کا کوئی حصہ بھی آرام کے لیے مختص نہ تھا!

تیسری جانب تحریر و تسوید کا کام تھا، جس میں ''میثاق'' کے اداریوں کے علاوہ اپنے دعوتی مضامین اور کتابچوں کی تالیف بھی شامل تھی۔

اور چوتھی جانب ان سب سے بڑھ کر پریشان کن تھا ''دارالاشاعت الاسلامیہ'' کا انتظامی

---

(۱) دعائیہ کلمہ اس کی خیر ہو (۲) ناظم اعلیٰ کی ذمہ داری (۳) ایک جگہ

کھکھیڑ، جس میں خوشنویس حضرات کا تعاقب، کاغذ کی مارکیٹ سے رابطہ، مطابع [۱] کے چکر، دفتری اور جلد ساز حضرات کے ساتھ ''سرد وگرم'' معاملات پھر پرچے اور کتابوں کی ترسیل، ڈاک کی دیکھ بھال اور سب سے بڑھ کر حسابات کا اندراج ایسے مشقت طلب اور خالص ''غیر رومانوی [۲]'' قسم کے کام شامل تھے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت یہ تمام کام میں تنِ تنہا کر رہا تھا---- اور اس پورے کام میں میرے صرف دو معاون [۳] تھے۔ ایک مطب کا ڈسپنسر اور دوسرے ''دارالاشاعت'' کے ایک جزوقتی کارکن!

الغرض---- ان پانچ سالوں کے دوران صورت بالکل وہ رہی جس کا نقشہ حضرت حسرت نے اپنے اس شعر میں کھینچا ہے۔

ہے مشقِ سخن [۴] جاری، چکی کی مشقت بھی
اک طُرفہ [۵] تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

بہر حال---- سورۃ النجم کی آیات مبارکہ '' لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّامَاسَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ '' [۶] میں بیان شدہ قانونِ خداوندی کے مطابق اس محنت و مشقت کا یہ نتیجہ تو ضرور برآمد ہوا کہ نہ صرف یہ کہ جماعت اسلامی سے لگ بھگ دس برس قبل علیحدہ ہونے والے لوگوں میں سے بہت سوں کے باطن میں دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ چنانچہ ۶۷ء میں ''تنظیم اسلامی'' کی تاسیس کے ضمن میں ایک اہم اجتماع بھی ہوا۔ (اگر چہ یہ کوشش بھی ع ''خوب درخشید ولے شعلہ مستعجل بود'' [۷] کے مصداق ناکامی سے دوچار ہوگئی) بلکہ ہم خیال لوگوں کا ایک بالکل نیا حلقہ وجود میں آگیا اور اس طرح ایک نئی تحریک کی داغ بیل پڑ گئی، لیکن اس کے ساتھ دو بحران بھی پیدا ہوگئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

---

(۱) مطبع کی جمع = چھاپہ خانے (۲) خشک، غیر دلکش (۳) مددگار (۴) شاعری (۵) انوکھا، عجیب (۶) انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہی کچھ جس کی اس نے کوشش کی ہوگی۔ اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب اسے دکھا دی جائے گی۔

(۷) خوب چمکا لیکن شعلہ جلدی بجھ گیا۔

چنانچہ---- ایک جانب صحت متاثر ہونی شروع ہوئی اور اوائل ۷۰ء میں تو اس نے گویا بالکل جواب دے دیا۔ نتیجۃً مستقل طور پر حرارت رہنے لگی جو شام کے وقت باقاعدہ بخار کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ جیسے کہ عام طور پر ہوتا ہے اولاً میں نے اس معمولات جاری رکھے۔ لیکن جب ایک دو بار تھوک میں خون کی آلائش بھی نظر آئی تو سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہونا پڑا۔ متعدد بار ایکسرے کرانے کے باوجود پھیپھڑوں میں تو کوئی خرابی نظر نہ آئی، لیکن شام کے بخار اور ہلکی ہلکی کھانسی کے پیش نظر اکثر مخلصین کا اصرار تھا کہ ٹی بی کا علاج شروع کر دیا جائے ----- وہ تو بھلا ہو ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کا کہ سختی کے ساتھ اڑ گئے کہ جب تک صریح اور مثبت شواہد نہیں ملیں گے میں ٹی بی کی ادویات استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ انہی دنوں پروفیسر یوسف سلیم چشتی (مرحوم و مغفور) حکیم سعید احمد پھلوری (مرحوم) کو لے آئے۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پھیپھڑوں کے سرطان کی تشخیص کر ڈالی۔ چشتی صاحب ان کی ''نبّاضی'' کے بے انتہا معتقد تھے، لہٰذا ان کے اصرار پر ایک کرم فرما کی وساطت سے ریلوے کیرن ہاسپٹل کے ڈاکٹر سعید صاحب سے باضابطہ ''برانکوسکوپی'' (BRONCHOSCOPY) کرانی پڑی جس کا نتیجہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان الفاظ میں بیان کیا کہ ''پھیپھڑوں کی تمام نالیاں بالکل شیشے کے مانند صاف ہیں اور مجھے تو کہیں بلغم کی اتنی مقدار بھی نہیں ملی جسے خردبینی معائنہ کے لیے نکال لاتا!'' ---- گویا ثابت ہو گیا کہ یہ علالت نتیجہ تھی صرف جسمانی مشقت کی زیادتی، آرام کی کمی اور اعصاب پر متضاد[1] قسم کے کاموں کا شدید دباؤ کا!

دوسری جانب ابتدائی ''فارغ البالی'' کے کچھ ہی عرصے بعد مالی مشکلات نے سر اٹھانا شروع کر دیا ------ اور رفتہ رفتہ اس اعتبار سے بھی صورت حال تشویش ناک ہوتی چلی گئی۔

کرشن نگر کے مکان کی خرید اور اس کی ابتدائی مرمت وغیرہ کے مصارف کے بعد جو سرمایہ میرے پاس بچا تھا، اس میں سے قدرِ قلیل کسی ہنگامی صورت حال سے ''الاسلامیہ'' میں کھپا دیا تھا۔ لیکن اس سے جو مطبوعات شائع ہو رہی تھیں، ظاہر ہے کہ وہ نہ تو ''نرم و گرم نان'' (HOT

---

(۱) مختلف

(CAKES) کے مانند بکنے والی تھیں، نہ ہی چٹ پٹے ڈائجسٹوں کی طرح قبولِ عام حاصل کر سکتی تھیں، لہٰذا جلد ہی محسوس ہوا کہ کل سرمایہ منجمد (BLOCK) ہو کر رہ گیا ہے۔ حتیٰ کہ تدبر قرآن' کی جلد دوم کی اشاعت کے لیے مجھے ایک دوست سے کچھ رقم حاصل کرنی پڑی۔ (جوانہوں نے قرض کی بجائے شراکت کی اساس پر دی، اور افسوس ہے کہ اس وقت میں بھی اس شراکت کی ماہیت کیوں کو نہ سمجھ سکا۔ لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ صرف ایک کتاب کے سلسلے میں نفع ونقصان کی شراکت حساب کتاب کے اعتبار سے نا قابلِ عمل ہے۔ لہٰذا جیسے بھی بن پڑا میں نے جلد ہی ان کی رقم معذرت کے ساتھ واپس کردی، اگر چہ وہ اس پر کچھ جزبز[1] بھی ہوئے۔)

جہاں تک میڈیکل پریکٹس کا تعلق ہے، میں اپنا سات آٹھ سال کا تعارف یا پیشہ ورانہ ''نیک نامی'' (GOOD WILL) کا سرمایہ تو منٹگمری (ساہیوال) ہی میں چھوڑ کر کراچی چلا گیا تھا۔ پھر لگ بھگ ساڑھے تین سال پریکٹس سے تقریباً لاتعلق رہا۔ مزید برآں[2] ان گیارہ سالوں کے دوران بہت سا پانی وقت کے دریا میں بہہ چکا تھا، اور ایک کثیر تعداد میں نوجوان ڈاکٹر میدان میں آگئے تھے، --- چنانچہ لاہور میں تو گلی گلی ایم بی بی ایس ڈاکٹروں کے مطب قائم ہو چکے تھے، ان حالات میں جان توڑ محنت سے بھی مطب بس اتنا ہی جم سکا کہ میری اور میرے اہل وعیال کی بقدر کفاف[3] کفالت کر سکے --- جبکہ ''دالاشاعت'' بھی مسلسل ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ''[4] کے نعرے لگا رہا تھا اور ''میثاق'' بھی ہر ماہ اچھے خاصے ''خسارے کی سرمایہ کاری'' کا متقاضی تھا!

الغرض ۱۹۷۰ء تک صحت کی خرابی، اور مالی مشکلات دونوں نے مل جل کر ایک گھمبیر[5] مسئلے کی صورت اختیار کر لی۔ اور اگر چہ داخلی طور پر تو یہ اطمینان حاصل کر رہا کہ بحمد اللہ اپنے مقصدِ زندگی کی خاطر وہ صورت پیدا ہوگئی کہ ؎

خیریتِ جاں، راحتِ تن، صحت داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی!

لیکن خارجی طور پر، عالمِ اسباب وعلل میں ''پس چہ باید کرد؟''[6] کا سوال پوری شدت کے ساتھ

(۱) ناراض (۲) اس سے بڑھ کر (۳) کافی ہونا (۴) کیا کچھ اور بھی ہے؟ (۵) گہرا، بھاری (۶) پس کیا کرنا چاہیے

سامنے آ کھڑا ہوا۔

ان دونوں برادرم اقتدار احمد سے تو مکانی فصل و بُعد [1] بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اس لیے کہ ان کا کاروباری مرکز بھی کراچی میں تھا اور کاروباری سرگرمیاں بھی زیادہ تر اندرونِ سندھ تک محدود تھیں۔ مزید برآں کاروباری علیحدگی کے بعد سے کچھ ذہنی اور قلبی حجابات [2] بھی طاری ہو گئے تھے، جن میں، جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، ان کے کاروبار میں نمایاں کامیابیوں اور ترقیوں سے پیدا شدہ مالی حیثیت کے فرق و تفاوت کی بنا پر بھی بہت کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔

بڑے بھائی اظہار احمد صاحب نے اپنا رہائشی اور کاروباری مرکز جوہر آباد کو بنایا اور ان کے کاروبار کا دائرہ پنجاب اور سرحد میں پھیلا اور اس میں بھی فوری طور پر بہت ترقی اور وسعت ہوئی۔ لہٰذا ان کی لاہور آمد و رفت کا سلسلہ بکثرت جاری رہتا تھا۔ انہوں نے میرے حالات کا اندازہ کر کے کچھ بڑے بھائی ہونے کے ناتے [3]، کچھ نظریاتی اور مقصدی ہم آہنگی کے پس منظر کے باعث، اور کچھ غالباً کاروباری اشتراک اور پھر علیحدگی کے ضمن میں اپنی بعض ذمہ داریوں کی ادائیگی کی خاطر ۶۹۔۱۹۶۸ء کے آس پاس مالی تعاون کی صورت پیدا کرنی چاہی --- لیکن میں نے کچھ طبعی غیرت، اور کچھ ان کی بعض زیادتیوں [4] کے شدید ردعمل کے باعث ان کا کسی قسم کا تعاون قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

مثلاً ایک یہ کہ "تدبر قرآن" کی جلد اول کے سو نسخے اپنی جیب سے پوری قیمت پر خرید کر بعض اعزہ و احباب کو ہدیہ کر دیئے (حالانکہ ان میں سے اکثر کے بارے میں ہرگز کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اس کا ایک لفظ بھی پڑھیں گے۔)

دوسرے یہ کہ میرے ذاتی فون سے لمبی لمبی کاروباری ٹرنک کالیں شروع کر دیں --- اور میں ابھی اسی شش و پنج [5] میں تھا کہ یا اللہ! انہیں روکوں تو کیسے؟ اور نہ روکوں تو بل کیسے ادا ہو گا؟ --- کہ انہوں نے دفعتہً کہہ دیا کہ اس فون کا پورا بل میں ادا کروں گا۔ اور اس پر میں سوائے

---

(۱) علیحدگی اور دوری (۲) پردے (۳) تعلق (۴) ان کی تفصیل میرے طویل بیان میں تو موجود ہے، یہاں وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں۔ (۵) سوچ بچار

خاموشی اختیار کرنے کے اور کچھ نہ کر سکا!

تیسرے یہ کہ اسی فون کی سہولت کے پیش نظر میرے مکان کے ایک کمرے میں اپنا لاہور آفس قائم کر دیا۔--- (واضح رہے کہ ان دنوں ٹیلی فون بہت کمیاب نہیں بلکہ تقریباً نایاب تھا اور مجھے بھی صرف مطلب کی ترجیح کی بنا پر حاصل ہو گیا تھا)---اور اس کے کچھ عرصے کے بعد ''حساب دوستاں در دل''[(۱)] کے مطابق گویا اس کے کرائے کے طور پر نہ صرف یہ کہ مکان کی بعض بوسیدہ چھتوں کو اپنی ''تیار چھتوں'' سے بدل دیا، بلکہ ان کے دفتر کے باعث جو تنگی پیدا ہو گئی تھی اس کے ازالے کے لیے دوسری منزل پر کچھ اضافی تعمیر بھی کر دی۔ جس سے مکان کی مالیت میں لامحالہ[(۲)] گرانقدر اضافہ ہو گیا۔

چوتھے یہ کہ جب میں نے ''میثاق'' کے مالی خسارے کے ناقابلِ برداشت ہونے کا ذکر ''میثاق'' ہی میں کیا تو انہوں نے فوراً پیشکش کر دی کہ اس کا کُل خسارہ میرے ذمے رہے گا۔ یہ ایک بالکل نئی صورت حال تھی جس سے میں دفعتہً[(۳)] دوچار ہوا۔ اس لیے کہ اوپر کی متذکرہ جملہ صورتیں کچھ درپردہ اور بالواسطہ تعاون کی تھیں جبکہ یہ پیشکش کھلم کھلا اور براہ راست تعاون کی تھی۔ اور میں اپنی اس ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کے پیش نظر جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اسے ٹھکرانے والا ہی تھا کہ اچانک میرے اندر ہی سے یہ آواز آئی کہ ''تم ''میثاق'' اللہ کے دین کی خدمت کے لیے شائع کر رہے ہو، اب اگر یہ مالی اسباب کی بنا پر بند ہو گیا تو تم اللہ کو کیا جواب دو گے اگر اس کی جانب سے یہ حجت قائم ہو کہ ہم نے تو اس کا ذریعہ پیدا فرما دیا تھا، تم نے اپنی ذاتی ''انا''[(۴)] کو کیوں مزاحم[(۵)] ہونے دیا''---بنابریں میں نے خاموشی اختیار کر لی اور اس طرح بھائی جان کے ''زبردستی کے تعاون'' کا سلسلہ مزید دراز ہو گیا۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ جگر کے اس شعر کے مصداق کہ

احساسِ خودی پر ہوتی ہے اک بوجھ نگاہِ لطف وکرم
جینا وہیں مشکل ہوتا ہے، مشکل جہاں آساں ہوتی ہے

---

(۱) دوستوں کے ساتھ حساب کتاب نہیں ہوتا (۲) ناچار (۳) اچانک (۴) خودداری (۵) رکاوٹ

بھائی جان کے اس زبردستی کے مالی تعاون سے میرے اعصابی دباؤ میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوا۔ اس لیے کہ ایک تو میری غیرت اسے گوارا نہیں کرتی تھی اور دوسرے انہوں نے اپنی زیادتیوں کے اعتراف کے ساتھ معذرت نہیں کی تھی۔

موضوع گفتگو کی تکمیل کی خاطر یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ برادرم اقتدار احمد اور بھائی اظہار احمد صاحب کے علاوہ دونوں چھوٹے بھائی ابھی کسی شمار قطار [۱] ہی میں نہیں تھے۔ ان میں سے عزیزم ابصار احمد تو انگلستان میں زیر تعلیم تھے اور مالی اعتبار سے خود دوسروں کے زیر کفالت تھے۔ (ان کی بیرونی تعلیم کے جُملہ مصارف [۲] برادرم اقتدار احمد نے اپنے ذمے لے لئے تھے۔) البتہ ان کے خطوط سے گاہ بگاہ ہمت افزائی بھی ہوتی تھی اور یہ اطمینان بھی حاصل ہوتا رہتا تھا کہ انہیں میں نے جس مقصد کے تحت فلسفہ کے رخ پر ڈالا تھا اور جس مقصد کی داغ بیل منٹگمری کے ''دارالمقامہ'' میں پڑی تھی اس کی جانب تسلی بخش پیش رفت ہو رہی ہے۔ خصوصاً انہوں نے اپنے ایک خط میں یہ لکھا کہ: ''جب سے یہاں (انگلستان) آیا ہوں 'اسلام کی نشاۃِ ثانیہ' کا مطالعہ چھ مرتبہ کر چکا ہوں اور ہر بار مجھے اس سے نئی رہنمائی حاصل ہوئی ہے!'' تو خوشی بھی ہوئی اور اطمینان بھی ہوا کہ ان شاء اللہ وہ اس مقصد کے لیے موقر [۳] خدمات انجام دے سکیں گے جس کا خاکہ اس کتابچے میں دیا گیا ہے ---- رہے عزیزم وقار احمد تو وہ اگرچہ اولاً برادرم اقتدار احمد اور بعدازاں اظہار احمد صاحب کے ساتھ کاروبار میں بالفعل شریک تھے ---- لیکن کچھ عمر میں کم ہونے، اور کچھ طبعاً کم گو اور نرم مزاج ہونے کے باعث کسی معاملے میں مضبوط موقف اختیار نہیں کر سکتے تھے ---- تاہم ان کی بھی ہمدردیاں مجھے ہمیشہ حاصل رہیں۔

وسط ۷۰ء تک ایک جانب تو جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، متذکرہ بالا دونوں ''بحران'' اپنی پوری شدت کو پہنچ گئے تھے۔ اور دوسری جانب ۷۰ء کے عام انتخابات کے حوالے سے ذاتی طور پر میرے لیے دو مزید پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں:-

ایک یہ کہ بھائی اظہار احمد صاحب کے دل میں کچھ تو جماعت اسلامی کے ساتھ جذباتی لگاؤ

---

(۱) گنتی (۲) تمام اخراجات (۳) باوقار

لے دوبارہ زور پکڑا---- اور کچھ ملک اور قوم کی خدمت کے جذبے نے انگڑائی لی---- چنانچہ انہوں نے انتخابات کی منجدھار میں چھلانگ لگا دی۔ اس سے ایک تو میرے اور ان کے مابین زندگی میں پہلی بار نظریاتی بُعد[1] پیدا ہو گیا جس کے نتیجے میں وہ حجابات جو پانچ سال کی مدت میں بمشکل کچھ کم ہونے پر آئے تھے نہ صرف یہ کہ دوبارہ قائم ہو گئے بلکہ پہلے سے بھی دبیز تر ہو گئے---- ثانیاً جب ان کی انتخابی مہم عروج کو پہنچی اور انہوں نے واقعتاً دیوانہ وار گاؤں گاؤں اور گلی گلی صدا لگائی شروع کی تو غالباً انہیں شدت کے ساتھ احساس ہوا کہ میرا ایک بھائی زبان اور قلم دونوں کی صلاحیتوں سے کسی قدر بہرہ ور ہونے کے ناتے میری اس مہم میں مؤثر مدد کر سکتا تھا، جو وہ نہیں کر رہا---- اور واقعہ یہی تھا کہ میں اپنے نظریاتی مؤقف کے ہاتھوں مجبور ہونے کے باعث ان کی اس مہم سے قطعاً لاتعلق تھا۔ لہٰذا فطری طور پر ان کی طبیعت میں شدید ردِّ عمل پیدا ہوا---- اور کچھ اس بنا پر، اور کچھ اس وجہ سے کہ الیکشن کی شدید مصروفیات کے باعث ان کے کاروبار کو بھی بڑا دھکا لگا تھا، ان کی جانب سے ''زبردستی کا تعاون'' یکلخت بند ہو گیا۔ (اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب حکمت مضمر تھی جس کا اندازہ بعد میں ہوا---- چنانچہ اس کا تذکرہ بھی بعد ہی میں ہو گا! اور درحقیقت اسی کی وضاحت کے لیے راقم کو اپنے اور بھائی جان کے مابین معاملات کے اس ناخوشگوار حصے کا ذکر کرنا پڑا---- ورنہ واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف بڑے بھائی کی حیثیت سے، بلکہ تحریک اسلامی کے ساتھ اولین تعارف کا ذریعہ ہونے کے ناتے مجھ پر ان کے بے شمار احسانات ہیں۔ اور میں اکثر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اب جبکہ وہ دنیوی کامیابیوں اور کاروباری اور پیشہ وارانہ کامرانیوں[2] سے حصہ وافر حاصل کر چکے ہیں۔ اور ''مسنون عمر'' کی بھی آخری حد کو چھو رہے ہیں ان میں دین کے لیے دوبارہ وہی جوانی والا جوش و خروش اور جذبۂ عمل پیدا ہو جائے---- وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!)[3]

دوسرے یہ کہ جمعیت علماء اسلام نے، جو ان دنوں مولانا مفتی محمود احمد مرحوم و مغفور کی زیرِ قیادت خاصی فعال تھی، مجھ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ میں ان کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کا الیکشن

---

(۱) دوری (۲) کامیابیوں (۳) ابراھیم 20، فاطر 17: ''اللہ تعالیٰ پر یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں''

لڑوں۔ چنانچہ اس سلسلے میں دو بار مولانا محمد اجمل خاں اور علامہ خالد محمود صاحب میرے مطب (یا مکان) پر تشریف لائے۔ میں نے ان حضرات سے لاکھ عرض کیا کہ میں نے تو پالیسی کے اسی اختلاف کی بنیاد پر کہ الیکشن کے ذریعے پاکستان میں اسلامی نظام نہیں قائم کیا جا سکتا، جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کی تھی، اب میں کیسے الیکشن میں حصہ لے سکتا ہوں۔ لیکن ان کی جانب سے اصرار جاری رہا--- ادھر کرشن نگر کے حلقے کی جماعت اسلامی کی ایک رسماً متفق لیکن عملاً سرپرست شخصیت، حاجی محمد لطیف (مرحوم و مغفور) نے ان حضرات کو میرے پاس آتے جاتے دیکھا تو یہ گمان کرتے ہوئے شاید یہ حضرات کسی اور امید وار کے لیے تعاون (SUPPORT) حاصل کرنے کی غرض سے چکر لگا رہے ہیں، پُر جلال[1] انداز میں فرمایا: ''اگر یہ لوگ ایسے ہی مخلص ہیں تو آپ کو کیوں نہیں کھڑا کرتے!'' اس پر جب میں نے عرض کیا: ''حاجی صاحب! وہ میرے پاس اسی لیے تشریف لائے تھے!'' تو انہوں نے فوراً فرمایا کہ ''اگر ایسا ہے تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ جماعت اسلامی بھی آپ کے مقابلے میں کوئی امیدوار کھڑا نہیں کرے گی۔ بلکہ آپ کو (SUPPORT) کرے گی!'' (واضح رہے کہ حاجی صاحب موصوف خود تو جماعت اسلامی کے علاقائی ''سرپرست'' تھے ہی ان کے صاحب زادگان بھی اس ڈیموکریٹک یوتھ فورس کے چوٹی کے قائدین میں سے تھے جو اس وقت جماعت کی عوامی قوت کے اہم ترین ستون کی حیثیت رکھتی تھی--- چنانچہ ان کے ایک صاحب زادے ''شوکتِ اسلام'' کے جلوس میں مولانا مودودی مرحوم و مغفور کے محافظِ خصوصی کی حیثیت سے ان کے بالکل برابر ایستادہ[2] رہے تھے!'' اس پر میں نے ہنستے ہوئے عرض کیا کہ: ''حاجی صاحب! میرے پاس تو شاید ضمانت کے پیسے بھی نہ ہوں!'' تو انہوں نے فرمایا کہ ''زرِضمانت بھی میرے ذمہ رہا!''

اس پر میں یہ انتہائی راز کی بات بتانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ میں نے اپنے اندر واقعتاً بالکل وہی کیفیت محسوس کی جو کسی انگریز آئی سی ایس افسر کے بارے میں بیان کی جاتی ہے کہ جب اسے کسی شخص نے رشوت پیش کی تو ابتداءً تو اس نے اسے شرافت اور ملامت کے ساتھ رد

---

(۱) شان، وشوکت والا (۲) قائم۔ کھڑے

کر دیا، لیکن جب وہ شخص مسلسل اصرار بھی کرتا رہا اور رشوت کی رقم بھی بڑھاتا چلا گیا تو ایک خاص حد تک مانچ جانے کے بعد اس انگریز افسر نے اس شخص کو نہایت سختی اور درشتی کے ساتھ حکم دیا کہ ''میرے کمرے سے فوراً نکل جاؤ، اس لیے کہ اب تم 'میری قیمت' کے بہت قریب پہنچ گئے ہو!''---- چنانچہ میں نے بھی یہ اندیشہ شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ اگر یہ بات آگے بڑھی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے نفس کی گہرائیوں میں حبِّ جاہ (۱) کی کوئی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھے، اور میں بھی انتخابی سیاست کی دلدل میں پھنس کر ہمیشہ کے لیے اپنی منزل کھوٹی کر لوں---- بنابریں میں نے ملک سے راہ فرار اختیار کرنے ہی میں عافیت (۲) محسوس کی اور برادرم عزیز وقار احمد کو کراچی فون کر دیا کہ میرے لیے عمرے کا بندوبست کریں تا کہ ایک تو میں انتخابات کے ہنگامے سے الگ تھلگ رہ سکوں۔ اور دوسرے حرمین شریفین کی پرسکون اور روح پرور فضا میں ٹھنڈے دل کے ساتھ غور وفکر کر کے اپنا آئندہ کا لائحہ عمل (۳) طے کر سکوں۔ عزیزم وقار احمد نے سوال کیا: ''آپ کب جانا چاہتے ہیں؟'' میں نے کہا: ''تم کارروائی شروع تو کرو' میں تاریخ بھی جلد بتا دوں گا!''---- مجھے کیا پتہ تھا کہ کراچی میں یہ کام کس آسانی اور عجلت کے ساتھ ہو جاتے ہیں، انہوں نے دوبارہ کہا کہ آپ جب بھی جانا چاہیں گے انتظام ہو جائے گا!'' اس پر میں نے تو گویا اپنے طور پر مشکل ذمہ داری ان پر ڈال دی کہ: ''میں تو ایک ہفتے کے اندر اندر روانہ ہو جانا چاہتا ہوں!'' لیکن انہوں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ: ''بس آپ تیار ہو کر آجائیں آپ جملہ انتظامات موجود پائیں گے!'' اور واقعتاً جب میں چند دن کے اندر اندر وہاں پہنچا تو مجھے نہ صرف عمرے کا ویزا، اور پی آئی اے کا چار ماہ کا رعائتی ٹکٹ تیار ملا---- بلکہ حفظانِ صحت کے ٹیکے بھی 'لگے لگائے' مل گئے (یعنی بغیر ٹیکہ لگوائے مصدقہ سرٹیفیکیٹ حاصل ہو گیا!)---- یہ دوسری بات ہے کہ میں لاہور سے متعلقہ ٹیکے لگوا کر گیا تھا اور اس سفر میں میرے پاس دو ہیلتھ سرٹیفیکیٹ تھے۔ ایک جعلی اور ایک اصلی۔

میرا یہ سفر جو ۱۶/۱۵ شعبان المعظم سے ۱۸/۱۷ ذی الحج ۱۳۹۰ء تک پورے ایک سو بیس دن

---

(۱) مرتبے کی محبت (۲) سلامتی (۳) عملی پروگرام

(یا تبلیغی بھائیوں کی اصلاح میں تین چلّوں) پر محیط رہا، میری زندگی کا طویل ترین سفر بھی تھا اور ہر اعتبار سے اہم ترین بھی اس لیے کہ اسی دوران عین حج کے موقع پر میں نے اپنی حیاتِ دنیوی کا اہم ترین فیصلہ کیا۔ یعنی میڈیکل پریکٹس کو ہمیشہ کے لیے خیرباد، اور جُملہ صلاحیتیں اور توانائیاں اور کل اوقات وقف برائے نشرواشاعتِ دعوتِ قرآن وسعی اقامتِ دین واعلاءِ کلمۃِ اللہ!!

یہ فیصلہ جو اس وقت چند الفاظ میں بیان ہوگیا ہے، اس وقت کئی ماہ کے مسلسل غور وفکر اور سوچ بچار کے بعد ہوسکا تھا، جس کے دوران ایک مرحلہ ایسا بھی آیا تھا کہ عقل وفہم کی جملہ صلاحیتیں ماؤف (۱) سی ہوگئی تھیں، حتیٰ کہ عارضی طور پر یادداشت بھی بالکل زائل (۲) ہوگئی تھی! اور چند چند ساعتیں تو مجھ پر فی الواقع اس حال میں گزری تھیں کہ

نہ ابتدا کی خبر ہے، نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم (۳) کہ ہم ہیں، سو یہ بھی کیا معلوم

لہٰذا اس ضمن میں کسی قدر تفصیل مناسب ہے۔

اپنے ذاتی مسئلے میں رہنمائی کے لیے میں نے مکہ مکرمہ میں طواف اور سعی کے دوران بھی قلب کی گہرائیوں سے دعائیں کی تھیں۔ اور پورے ماہ رمضان المبارک اور اگرچہ رمضان مبارک کی اپنی مصروفیات اور خصوصاً روحانی کیف وسرور نے مسئلے کے حل کی جانب زیادہ متوجہ ہونے کی مہلت نہیں دی تھی، تاہم تحت الشعور میں ''پس چہ باید کرد؟'' اور "To be or not to be is the question" کی اُدھیڑبُن (۴) دھیمے دھیمے انداز میں جاری رہی تھی!

رمضان مبارک کے اختتام پر ایک تو ویسے بھی ایک نوع کے Anti-Climax کی سی کیفیت لازماً پیدا ہوجاتی ہے اور کچھ خلا کا سا احساس ہونے لگتا ہے اور ایک گونہ اداسی اور افسردگی سی طاری ہوجاتی ہے، اور مدینہ طیبہ کے رمضان کے بعد تو یہ معاملہ بہت ہی نمایاں تھا---- پھر پاکستان کے عام انتخابات میں تمام مذہبی جماعتیں جس طرح چاروں شانے چت (۵) ہوئی تھیں اور بڑے بڑے سیاسی اور صحافی پنڈتوں کی پیشین گوئیوں کے بالکل برعکس پاکستان کے مشرقی اور

---

(۱) بے حس (۲) غائب (۳) خیال (۴) سوچ بچار (۵) شکست

مغربی دونوں خطوں میں خالص سیکولر مزاج کی حامل جماعتوں کو واضح اور مطلق اکثریت حاصل ہو گئی تھی، اس کا بھی دل و دماغ پر شدید اثر تھا۔ ایسے میں جب ذہن نے توجہ کے پورے ارتکاز (۱) کے ساتھ اپنے مسئلے پر غور کرنا شروع کیا، اور ایک جانب معاش اور اہل و عیال، دوسرے جانب دین اور اس کی دعوت و تحریک اور تیسری جانب ''عافیت جاں، راحتِ تن، صحتِ داماں'' کے تلخ مگر سنگین حقائق ایک دم ذہن میں تازہ ہو گئے تو میں نے بالکل ایسے محسوس کیا جیسے میں پہاڑ تلے آ گیا ہوں۔

ایک بات تو اس عرصے کے کچھ شعوری اور کچھ غیر شعوری غور و فکر کے نتیجے میں بالکل قطعی اور دوٹوک انداز میں سامنے آ چکی تھی ---- یعنی یہ کہ معاش و مطب اور دعوت و تحریک دونوں کو میں جس انداز میں گزشتہ پانچ سال کے دوران ساتھ لے کر آگے بڑھتا رہا تھا وہ اب مزید جاری رہنا ناممکن تھا اور حالات ایک ایسے فیصلہ کن دوراہے پر آ پہنچے تھے کہ ''یا چناں کن یا چنیں'' (۲) کے انداز میں ایک دوٹوک فیصلہ لازمی تھا۔

مجھے اپنے سامنے دو راستے واضح طور پر نظر آ رہے تھے جن میں سے کسی ایک کو ذہن و قلب کی کامل یکسوئی (۳) کے ساتھ اختیار کرنا اور دوسرے کو واضح شعوری فیصلے کے ساتھ ترک کرنا ناگزیر ہو گیا تھا :-

ایک یہ کہ مطب بند کر دوں۔ اور پریکٹس کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر اپنے آپ کو ہمہ تن (۴) اور ہمہ وقت دعوت اور تحریک کے لیے وقف کر دوں۔ اور معاش کے معاملے میں کلیۃً اللہ پر توکل کروں اور اس یقین کا سہارا لوں کہ: '' وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ '' (العنکبوت : ۶۰) (۵) --- اور

دوسرے یہ کہ دعوت و تحریک کے ضمن میں جتنی پیش رفت ہو چکی ہے۔ اس سے بھی کسی قدر پسپائی اختیار کر کے اسے ایک سطح پر منجمد (SEAL) کر دوں، اور اپنی اصل توجہ کو مطب اور معاش

---

(۱) ایک مرکز پر جمع کرنا (۲) اس طرح کر یا اس طرح کر (۳) اطمینان (۴) سرتاپا

(۵) اور کتنے ہی جاندار جو ہیں اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ انہیں بھی رزق دیتا ہے اور وہ تم لوگوں کو بھی دے گا اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے

پر مرتکز کر کے ثانوی درجے میں درس وتدریس کا کام جس قدر بھی ہو سکے اس پر اکتفا کرلوں۔

پہلی بات کہنے میں جس قدر آسان تھی، واقعتاً اتنی ہی مشکل اور کٹھن تھی۔ اور اگرچہ بحمد اللہ میرا ذاتی رجحان اسی کی جانب تھا لیکن یہ حقائق بھی پوری شدت کے ساتھ پیش نظر تھے کہ مطب کے سوائے معاش کا کوئی ظاہری یا مرئی ذریعہ یا وسیلہ سرے سے موجود نہ تھا، چنانچہ نہ کوئی زمین تھی نہ جائیداد، اور روئے ارضی پر میری کل ''ملکیت'' اس مکان کی صورت میں تھی جس میں میں اور میرے اہل وعیال رہائش پذیر تھے، لہٰذا وہ بھی کسی آمدنی کا ذریعہ نہیں بن سکتا تھا، رہی نقد پونجی تو وہ ایک قدرِ قلیل کے سوا سب کی سب ''دارالاشاعت'' کے اسٹاکس کی صورت میں جامد (BLOCK) ہو چکی تھی، دوسری جانب میں تنہا نہ تھا بلکہ نو دس افراد کے کنبے کا واحد کفیل[۱] تھا، پھر خرچ اٹھانے کا ذمہ دار تا حال نہ کوئی جماعت تھی نہ تنظیم جس کی جانب سے ''کفاف''[۲] کی توقع کی جا سکے۔ رہا خاندان، تو اس کا شیرازہ بھی بالکل منتشر ہو چکا تھا اور صورت بالکل وہ بن چکی تھی کہ ع ''دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا!''---- الغرض یہ تمام تلخ مگر سنگین حقائق مجھے اپنے سر پر بالکل ''وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّور''[۳] کی سی کیفیت کے ساتھ معلّق[۴] نظر آ رہے تھے۔ اور ان سب پر مستزاد، اور بعض پہلوؤں سے ان سب سے مشکل سوال یہ تھا کہ اگر ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام[۵] ابھی

کے مصداق ان تمام حقائق وواقعات کو نظر انداز کر کے چھلانگ لگا دی جائے تو آیا یہ دین اور شریعت کی رو سے جائز بھی ہو گا یا نہیں؟

رہی دوسری صورت تو یہ آسان بھی تھی اور دنیا کے عام دستور اور چلن کے موافق بھی---- لیکن مجھے یہ صریحاً ''خودکشی'' کے مترادف نظر آتی تھی۔ اس لیے میں نے پورے بیس سال قبل اٹھارہ برس کی عمر اور نیم شعوری کے دور میں ''فرائضِ دینی'' کے ایک خاص تصور کے

---

(۱) خرچ اٹھانے کا ذمہ دار (۲) کافی ہونا، گزارے کے لائق۔ (۳) البقرہ 63،93: ''اور ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو کھڑا کر دیا'' (۴) لٹکا ہوا (۵) چھت پر

مطابق زندگی کا ایک رخ متعین کر کے سفر کا عملاً آغاز کر دیا تھا۔ پھر جیسے جیسے معلومات میں اضافہ ہوا، اور شعور میں پختگی پیدا ہوتی گئی۔ اس تصور اور رخ کے بارے میں اعتماد اور یقین میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا اور جب قرآن حکیم اور سنّت و سیرت رسول ﷺ تک براہ راست رسائی ہوئی تب تو ''وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ''[۱] کے مصداق پورا انشراح اور اطمینان حاصل ہو گیا کہ ؏ جا ایں جا است!''[۲] اور ''اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ''[۳] ---- پھر اس ذہنی اور قلبی انشراح کے ساتھ ساتھ بحمد اللہ عملی پیش قدمی بھی جاری رہی تھی۔ چنانچہ زمانہ طالب علمی میں اسی تصور کے حسنِ عمل کی خاطر خوب سوچ سمجھ کر اور پورے شعوری طور پر اپنے تعلیمی اور پیشہ ورانہ کیرئیر کی قربانی کا فیصلہ کیا تھا۔ اور مسلسل بیس برس تک بفضلہٖ تعالیٰ جسم و جان کی بہتر اور بیشتر توانائیاں اِسی رخ پر صرف کیے رکھی تھیں۔ (اس میں جو ذرا سی کمی ان تین سالوں کے دوران آئی تھی جو مشترک خاندانی کاروبار میں شمولیت کی صورت میں بسر ہوئے، تو اس کا اصل سبب بھی ''سَيْر عَنِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ'' کے مانند اسی مقصدِ زندگی کے نام پر دی جانے والی دعوت کے سوا کچھ نہ تھا۔) اور بحمد اللہ اس وقت تک میرا ضمیر بالکل مطمئن تھا کہ بفضلہٖ تعالیٰ میں نہ صرف یہ کہ۔

''واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس[۴] کی
خیریّت جاں، راحتِ تن، صحتِ داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی''

کے معیار پر پورا اترا تھا---- بلکہ میں نے اپنے تصوّرات و معتقدات اور زندگی کے رخ اور مقصد کی خاطر ''غیروں'' کے ''ناوکِ دشنام''[۵] کے وار بھی خوش دلی سے سہے تھے اور ''اپنوں'' کے ''طرز ملامت'' کی بھی ہر ادا کو برداشت کیا تھا۔ اور جہاں اپنے مؤقف کی صحت کے یقین کی بنیاد پر دشمنوں سے جنگیں لڑی تھیں وہاں اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دوستوں اور بزرگوں سے

---

(۱) البقرہ 260 کہ میرا دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔ (۲) جگہ یہی ہے۔ (۳) الواقعہ 95 یقیناً یہ سب کچھ قطعی حق ہے۔ (۴) گھنٹی (۵) بدزبانی کے تیر

بھی لڑائی مول لی تھی---- لیکن مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ اس سب کے بعد اگر اب، جبکہ مجھ پر اللہ کا مزید کرم یہ ہوگیا تھا کہ اس نے اپنی کتابِ حکیم کے ساتھ قلبی اُنس اور ذہنی مناسبت عطا فرمادی تھی اور نہ صرف یہ کہ اس کے فہم کے لیے میرے ذہن وقلب کے دروازے کھول دیئے تھے بلکہ اس کی تفہیم وتبلیغ کے لیے میری زبان کو بھی رواں [۱] کردیا تھا، محض پیٹ کے ہاتھوں مجبور ہوکر یا جسم وجان کی صحت وخیریت کی خاطر میں نے اس راہ سے انحراف تو کجا [۲] اس کی ترجیحات (Priorities) میں کوئی ردوبدل بھی کیا تو میں یقیناً ع ''میں ہوں اپنی شکست کی آواز!''----اور ع ''وہ بدنصیب جو گر جائے اپنی آنکھوں سے!'' کا مصداقِ کامل بن کررہ جاؤں گا۔ پھر اس معنوی خودکشی کے بعد محض حیوانی جبلتوں کی خاطر اور ایک جدید طبی اصطلاح کے مطابق ''Human Vegetable'' کی صورت میں زندہ رہنا ''چہ ضرور؟''[۳] گویا ع ''نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا!''---- کسی غیر معروف شاعر کے یہ دو اشعار مجھے بے حد پسند ہیں:

اک تصور کے حسنِ معنی پر
ساری ہستی لٹائی جاتی ہے
زندگی ترکِ آرزو کے بعد
کیسے سانسوں میں ڈھالی جاتی ہے

الغرض یہ تھی وہ اُدھیڑبُن جس میں میں رمضان مبارک کے بعد شدت کے ساتھ مبتلا ہوگیا تھا۔ کہ دل پہلی راہ کی جانب کھینچتا تھا اور توکل وتفویض کی راہ دکھاتا تھا تو نفس دوسرے راستے کی طرف رہنمائی کرتا تھا اور ساتھ ہی یہ ''رشوت'' بھی پیش کرتا تھا کہ سعودی عرب کی ملازمت اختیار کرلو، تنخواہ بھی اچھی ملے گی اور عمرہ حج کی سہولت بھی میسر رہے گی، اور حرمین کی نمازوں کے ذریعے اجروثواب کے انبار بھی جمع کیے جاسکیں گے، جن سے کسی نہ کسی حد تک دعوت واقامتِ دین کی راہ سے پسپائی اختیار کرنے کی تلافی بھی ہوجائے گی۔ واضح رہے کہ اس وقت تک سعودی عرب میں پاکستانی ڈاکٹروں کی مانگ بہت تھی!)

میں اسی فکر میں غلطاں وپیچاں [۴] تھا، اور اس شش وپنج نے مجھے بالکل اس کیفیت سے

---

(۱) جاری (۲) کہاں (۳) کس قدر ضروری (۴) الجھا ہوا

دو چار کر دیا تھا جو حضرت معاذ ابن جبلؓ کے ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے جو ایک حدیث میں وارد ہوئے ہیں، یعنی: ''قَدْ اَمْرَضْتَنِي وَاَسْقَمْتَنِي وَاَحْزَنْتَنِي'' (جس نے مجھے بیمار کر دیا ہے اور نڈھال کر دیا ہے اور غمزدہ کر دیا ہے'' حضرت معاذ ابن جبلؓ کے یہ الفاظ ایک طویل حدیث میں وارد ہوئے ہیں جسے احمدؒ، بزارؒ، نسائی، ابن ماجہؒ اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے حدیثِ حسن قرار دیا ہے!) کہ اچانک لندن سے برادر عزیز ابصار احمد کی زور دار دعوت موصول ہوئی کہ آپ کے پاس حج تک کافی وقت ہے، کیوں نہ ایک چکر انگلستان کا لگالیں؟---میرے دل نے بھی صلاح دی کہ زندگی کا اہم ترین اور مشکل ترین فیصلہ مسلسل ایک ہی فضا میں رہتے ہوئے کرنے سے بہتر ہے کہ ایک مختلف بلکہ مخالف ماحول میں قوتِ ارادی اور ذہن وقلب کی استقامت ومقاومت کو آزما لیا جائے---چنانچہ فوراً پروگرام بن گیا---اور برادرم صہیب حسن کی معیت میں دوسرا عمرہ ادا کرتے ہوئے جدہ آنا ہوا---اور وہاں بھی انہی کی رہنمائی میں لندن کے لیے ویزا کے حصول اور پھر سستے ٹکٹ کی تلاش کے مراحل طے ہوئے اور اغلباً ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو میری لندن اور ان کی نیروبی روانگی ہوگئی---اور غالباً ۱۵ر دسمبر کی سہ پہر کو جدہ ہی میں میرے اعصاب پر جو شدید دباؤ پچھلے دو ہفتوں کے دوران رہا تھا، اس کا ظہور اس طور سے ہوا کہ مجھے دفعتاً اپنے ذہن میں ایک مہیب[1] خلا محسوس ہوا اور میری یادداشت بالکلیہ جواب دے گئی۔ چنانچہ بالکل ایسے لگتا تھا جیسے میری نگاہوں کے سامنے کی چیزوں کے سوا ہر شے اور ہر بات میرے ذہن سے اوجھل اور حافظے سے محو[2] ہوگئی ہے۔ اس روز چند گھنٹے مجھ پر جس شدید الجھن میں گرزے اس کی یاد ہی سے مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے---اور میں اللہ کی پناہ مانگنے لگتا ہوں۔ میری اس کیفیت پر برادرم صہیب حسن بھی سخت پریشان ہوئے، تاہم وہ ہر طرح مجھے سکون پہنچانے کی کوشش کرتے رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ رات کی آمد کے ساتھ ہی یہ کیفیت ختم ہوگئی اور میں گویا دوبارہ دنیا میں آ گیا۔

لندن میں میرا قیام وسط دسمبر ۷۰ء سے وسط جنوری ۷۱ء تک رہا تھا۔ واپسی پہلے مکہ مکرمہ

---

(۱) خوفناک (۲) معدوم

میں حاضری اور عمرے کی سعادت حاصل ہوئی، پھر مدینہ منورہ جانا ہوا اور بالآخر وہاں ہی سے حج کا احرام باندھ کر پھر حج کے لیے حاضری ہوئی۔

ایامِ حج میں میں اپنی اس الجھن کے بارے میں مسلسل غور کرتا رہا جس پر سوچ بچار کو میں نے اسی موقع کے لیے مؤخر کر دیا تھا۔ وہ الجھن یہ تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اتنا بڑا فیصلہ کر تو رہا ہوں کہ حصولِ معاش کے واحد ذریعے یعنی مطب کو بند کر دیا جائے درآنحالیکہ دوسرا کوئی مرئی [۱] اور محسوس و مشہود ذریعہ سرے سے موجود نہیں ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت پر ''اندھے'' اعتماد (BLIND FAITH) کے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی ---- اور یہ بھی یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس پر میرے دل کو مطمئن کر دیا ہے ---- لیکن ایک پہلو سے میرا یہ فیصلہ ''خلافِ قرآن'' ہے، اس لیے کہ قرآن مجید نے انسان کی شعوری پختگی کی عمر چالیس سال قرار دی ہے بحوائے آیت قرآنی: ''حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً......الایہ'' [۲] (الاحقاف: ۱۵) اور میں اتنا بڑا اقدام اس وقت کر رہا ہوں جبکہ ابھی پورے انتالیس سال کا بھی نہیں ہوا۔

یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ یہ آیہ مبارکہ اور اس کے حوالے سے یہ خیال کہ انسان کی نفسیاتی اور شعوری پختگی کی عمر چالیس سال ہے، بہت عرصہ سے میرے ذہن میں موجود تھا ---- چنانچہ نومبر ۱۹۶۵ء میں جب والد صاحب مرحوم کا انتقال ہوا، اور اس صدمے کا غم ہلکا کرنے کے لیے میں نے برادرم وقار احمد کی معیت میں وادیٔ کاغان کا رخ کیا (جس میں میں اپنی پرانی ہلمین کار میں وادیٔ کاغان کے درمیانی مقام جرید تک پہنچ گیا تھا) ---- تو جاتے یا آتے ایک دن کا قیام ایبٹ آباد میں اپنے عزیز کے مکان پر ہوا ---- وہ نومبر کی ۲۶ تاریخ تھی اور مجھے اچانک یاد آیا کہ یہ بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کا یوم پیدائش ہے۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ ان دنوں میرے تعلقات ان سے خاصے کشیدہ [۳] تھے، میں نے ایبٹ آباد ہی سے انہیں ایک خط تحریر کیا تھا [۴] کہ: آج آپ انتالیس سال پورے کر کے چالیسویں میں داخل ہو گئے ہیں، اور یہی

---

(۱) جس کو دیکھ سکیں (۲) ترجمہ صفحہ 48 پر ملاحظہ کریں (۳) کھنچے ہوئے (۴) صفحہ 48 پر ملاحظہ کریں

ازروئے قرآن انسان کی پختگی کی عمر ہے، لہٰذا آپ ذرا اپنے ماضی اور حال پر دوبارہ نظر ڈالیں----اور غور کریں کہ عنفوانِ شباب (۱) میں آپ نے تحریک اسلامی کا دامن کن جذبات اور احساسات اور کن عزائم اور امنگوں کے ساتھ تھاما تھا---اور اب آپ بِالکلّیہ کن مشاغل و مصروفیات میں منہمک (۲) ہیں!---اپنے اس خط میں بھی میں نے پوری آیہ مبارکہ درج کر دی تھی اور پھر لاہور واپسی پر ''میثاق'' کے خوشنویس صاحب سے اس کی خوشنما کتابت کرا کے بھی ارسال کر دی تھی۔اور بعدازاں اس کا چربہ ''میثاق'' میں بھی شائع کر دیا تھا۔(اور اب بھی اس کا عکس اس تحریر کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے)

مزید برآں اسی آیہ مبارکہ کے حوالے سے میرے ذہن میں بعض اوقات یہ خیال بھی آتا تھا کہ بعض سابق داعیان و خادمانِ دین کی مساعی میں ثبات واستقلال کی کمی کا سبب بھی شاید یہی تھا کہ انہوں نے اپنی دعوت و تنظیم کا آغاز نیم پختہ عمر میں کر دیا تھا۔چنانچہ آغاز تو بلاشبہ ع ''دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان!''---اور ع ''آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم!'' والا تھا لیکن افسوس کہ انجام بھی ع ''ہو گئے خاک، انتہا یہ ہے!'' سے مختلف نہ ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ خود میں نے اُس وقت تک ایک ''داعی'' کی حیثیت سے سامنے آنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔اور میں اپنی حیثیت واقعتاً قرآن حکیم کے ایک ادنیٰ طالب علم یا زیادہ سے زیادہ خادم کی سمجھتا تھا---اور اُس وقت بھی میرے سامنے اصل مسئلہ کسی نئی دعوت یا جماعت کے آغاز کا نہیں تھا، بلکہ صرف تعلیم وتعلّم قرآن کی ہمہ وقت و ہمہ تن خدمت کے لیے مطب کو بند کر دینے کا تھا--- لیکن چونکہ یہ بھی بجائے خود ایک بڑا فیصلہ تھا لہٰذا مجھے اس میں تردّد اور تذبذب (۳) تھا کہ آیا مجھے چالیس سال کی عمر سے قبل اتنا بڑا اقدام کر گزرنا چاہیے یا نہیں؟

عرفات میں میں نے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا کی اور بار بار دعاءِ استخارہ کو دہرایا--- لیکن تذبذب میں کوئی کمی نہیں آئی۔لیکن واپسی پر ایک روز حرم میں بیٹھے ہوئے اچانک دماغ میں بجلی سی کوندی اور دفعۃً یہ خیال دل میں آیا کہ قرآن کی تقویم قمری ہے، اور قمری سال شمسی

---

(۱) جوانی کا آغاز (۲) مصروف (۳) ہچکچاہٹ

أعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

حَتّٰى

یہاں تک کہ

إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ

جب وہ اپنی پوری پختگی کو پہنچتا ہے

وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً

اور چالیس برس کا ہو جاتا ہے

قَالَ

تو کہتا ہے کہ

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ

اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں ان انعامات کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیے

وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ

اور ایسے نیک اعمال کروں جو تجھے پسند ہوں

وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي

اور میری اولاد کو میرے لیے بھلائی کا ذریعہ بنا

إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں — اور — میں فرمانبرداروں میں سے ہوں!

(سورۂ احقاف - آیت - ۱۵)

بڑے بھائی کی خدمت میں — چالیسویں سالگرہ کے موقع پر

منجانب ——— خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

سال سے دس دن کے قریب چھوٹا ہوتا ہے---اب جو اپنی عمر کا حساب لگایا تو سارے عقدے ایک دم حل ہو گئے اس لیے کہ اس وقت شمسی حساب سے میری عمر انتالیس برس سے لگ بھگ ڈھائی ماہ کم تھی--- گویا کہ قمری حساب سے میں تقریباً چالیس برس کا ہو چکا تھا!

لہذا اسی وقت آخری فیصلہ بھی کر لیا اور اللہ سے عہد بھی باندھ لیا کہ: ''پروردگار! میں عہد کرتا ہوں کہ آج کے بعد سے اپنی توانائیوں یا صلاحیتوں یا اوقات کا کوئی حصہ تلاشِ معاش میں صرف نہیں کروں گا---اور اپنے آپ کو ہمہ تن ہمہ وقت تیری کتابِ مبین اور تیرے دینِ برحق کی خدمت کے لیے وقف رکھوں گا----رہا میری اور میری اہل وعیال کی معاش کا معاملہ تو وہ کلیۃً تیرے سپرد ہے۔

سپردم بہ تو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ کم وبیش را!

باب سوم

فروری ۱۹۷۱ء سے ستمبر ۱۹۹۲ء

”وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَاَغْنٰی“

کا عکس، اور

”وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ“

کا ظہور وثبوت

فروری ۷۱ء سے لے کر ان سطور کی تحریر کے وقت تک (۱۰ ستمبر ۱۹۹۲ء) اور آئندہ جب تک اللہ تعالیٰ اس دنیا میں رکھے، یہ از روئے قرآن حکیم (سورۃ الاحقاف: ۱۵) میری زندگی کا شعوری بلوغ اور نفسیاتی پختگی کا دور ہے، جس کے شمسی تقویم کے مطابق ساڑھے اکیس، اور قمری حساب سے سوا بائیس برس بیت چکے ہیں (اس لیے میری عمر اس وقت شمسی حساب سے ساڑھے ساٹھ برس اور قمری تقویم کے مطابق باسٹھ برس ہو چکی ہے!)(۱) اور اگرچہ میری ذہنی اور قلبی کیفیت تو بہت سے رفقاء و احباب کے علم میں ہے کہ کئی سال سے بالکل یہ ہے کہ

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!

اور واقعہ یہ ہے کہ ”مسنون عمر“ سے زیادہ کی تو ہرگز کوئی آرزو یا تمنا نہاں خانۂ قلب(۲) میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے--- ہاں آرزو ہے تو صرف یہ کہ اللہ جب بھی واپس بلائے اپنے خصوصی فضل و کرم سے، جو اب تک بھی زندگی کے ہر سانس کے ساتھ شامل حال رہا ہے، یہ کیفیت بھی عطا فرما دے کہ ع ”چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست “(۳) وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

---

(۱) اور اب اس میں مزید سات سال کا اضافہ ہو چکا ہے۔ (۲) دل کا پوشیدہ خانہ (۳) جب موت آئے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔

بِعَزِیْزٍ !(ابراھیم 20،فاطر 17) تاہم وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ‘‘(لقمٰن 34) کی طرح یہ بھی کسی کے علم میں نہیں ہے کہ واپسی کا اِذن کب ہوتا ہے! بہر حال ان اکیس بائیس سالوں کے دوران ---- میرے طبعی کسل،[۱] جسمانی ضعف اور ہمت کی کمی (بحمد اللہ پستی نہیں!) کے باعث جو کوتاہی اور تقصیر[۲] ہوئی اس کے لیے ربِّ جبّار و قہّار سے عفو[۳] و درگزر کا امیدوار ہوں، اس لیے کہ یہ ’’وسعت‘‘ اور ’’شاکلہ‘‘ بندے کے لیے خالق کی جانب سے موہوب (Given) ہوتا ہے، اور قیامت کے دن حساب کتاب اسی کی نسبت سے ہوگا، بمصداق: ’’ لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا‘‘ (البقرہ:۲۸۶) اور ’’لَانُکَلِّفُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا‘‘ (الانعام:۱۵۲، الاعراف:۴۲، المومنون:۶۲) اور ’’ قُلْ کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ ط فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا‘‘ (بنی اسرائیل:۸۴)

اسی طرح اس امر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ کسی شعوری اور ارادی ہوسِ جاہ[۴] اور طلبِ شہرت سے اس نے بچائے رکھا، اگر تحت الشعور یا لاشعور کی سطح پر ہوسِ اقتدار، طلبِ عزت، خودنمائی کی خواہش، ریاکاری کا جذبہ یا محض انجمن آرائی[۵] کا ذوق وشوق کارفرما رہا ہو----- تو اللہ تعالیٰ سے اس کا بھی خواستگار ہوں کہ اپنی شانِ غفاری وستاری کے طفیل عفوو صفح[۶]، اور غفر وستر[۷] کا معاملہ کرے اور اس کا بھی کہ اپنے پاس واپس بلانے سے پہلے پہلے میرے باطن کو ان آلودگیوں[۸] سے پاک اور صاف کردے: اَللّٰھُمَّ زَکِّ نَفْسِی فَاِنَّکَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا---- اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَاَعْیُنَنِی مِنَ الْخِیَانَۃِ، فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ! آمین یا رب العالمین!!

البتہ ایک بات جو بالکل ظاہر وباہر بھی ہے، اور اسی بنا پر قابلِ تحقیق وتوثیق بھی، وہ یہ ہے کہ میں پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وسط فروری ۱۹۷۱ء سے لے کر آج تک میں

---

(۱) سستی (۲) خطا (۳) معافی (۴) مرتبے کا لالچ (۵) مجلس سجانا (۶) معافی اور درگزر (۷) بخشش اور پردہ پوشی (۸) ناپاکیوں

نے بحمد اللہ اپنے وقت کا کوئی لمحہ، اور اپنی قوت اور توانائی کا کوئی شمہ[1] حصول معاش کے لیے صرف نہیں کیا (سوائے ایک چند ماہ لیک یا دو گھنٹے روزانہ کی جزوی "ملازمت" کے جو ایک مرتبہ پھر خاندانی مجبوری کے تحت ہوئی) بلکہ "جو کچھ اور جیسا کچھ" واہبِ حقیقی[2] کی جناب سے عطا ہوا تھا اسے امکانی حد تک پورے کا پورا اسی کے کلام اور پیغام کی نشر و اشاعت، اور اسی کے دین کی دعوت و اقامت کی جدوجہد میں صرف کر کے گویا ع "جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی!" کے مصداق اسی کے قدموں میں ڈال دیا۔ اور "حق" نہ صرف یہ ہے کہ "حق ادا نہ ہوا" بلکہ یہ بھی کہ جس درجہ میں بھی ہُوا محض اسی کی توفیق سے ہوا: "وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ"---! (الاعراف 43: ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ ہی نے ہمیں نہ پہنچا دیا ہوتا)

میری زندگی کے یہ اکیس بائیس سال (بلکہ دوبارہ لاہور منتقل ہونے کے بعد سے آج تک کے ستائیس[3] سال!) کوئی ڈھکی چھپی شے نہیں ہیں، بلکہ بحمد اللہ ایک کھلی کتاب کی مانند ہیں۔ میں نے معروف معنی میں نہ کوئی "آپ بیتی" آج تک لکھی ہے، نہ لکھنے کا ارادہ ہے، لیکن توفیق و تائیدِ خداوندی سے جو کچھ مجھ سے، اس عرصے میں بن آیا ہے اس کا ذکر کتابوں میں بھی ہے (بالخصوص "عزمِ تنظیم" اور "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" میں جو مطبوعہ شکل میں موجود اور دستیاب ہیں، اور تنظیم اسلامی کی "روداوں" میں جو فی الوقت دستیاب ہیں) اور "میثاق" اور "حکمت قرآن" کے فائلوں، پر مستزاد لاتعداد سمعی اور بصری کیسٹوں میں بھی---- اور سب سے بڑھ کر انجمن ہائے خدام القرآن، قرآن اکیڈمیوں، قرآن کالج اور قرآن آڈیٹوریم ایسی ٹھوس حقیقتوں کی صورت میں بھی ہے اور تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کی معنوی لیکن فعال اور متحرک حقیقتوں کی شکل میں بھی---- لہٰذا مجھے یہاں اپنی "کارگزاری" کے کسی تذکرے کی کوئی حاجت نہیں ہے، چنانچہ اس وقت اس اکیس بائیس سالہ دور کے بارے میں مجھے اپنے معاشی حالات اور مالی معاملات کا ذکر کرنا ہے، تاکہ ایک جانب "يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا

(۱) بہت قلیل مقدار (۲) حقیقی عطا کرنے والا (۳) جواب لگ بھگ پینتیس سال بن چکے ہیں۔

(فروری ۲۰۰۱ء)

یَحۡتَسِبُ“ (الطلاق:۲---۳) کی تفصیل سامنے آجائے اور دوسری جانب میرے معاشی معاملات کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں یا کردی گئیں ان کی وضاحت اور ازالہ[1] ہو جائے۔(چنانچہ یہی پہلو تھا جس کے پیش نظر ۸۸ء والی تحریر کی اشاعت پر تنظیم اسلامی کے بعض اہم رفقاؑ نے زور دیا تھا، جبکہ خود میں مذبذب ہو گیا تھا!)

ا----- میں نے جب وسط فروری ۷۱ء میں مطب کے خاتمے اور ہمہ وقت دین کی خدمت کے لیے وقف ہو جانے کا فیصلہ کیا، اس وقت میری کل ”مالی کائنات“ یہ تھی:

(i) کرشن نگر لاہور میں دس مرلے کا ایک دو منزلہ مکان جو پانچ سال قبل -/۴۵۰۰۰ میں خرید کیا تھا۔ لیکن اب کچھ مرمت اور اضافی تعمیر (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) اور گرانی یا افراطِ زر کے باعث اس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ ہو چکی تھی۔

(ii) منٹگمری میں لگ بھگ بارہ مرلے کے اس مکان کی ”نصف ملکیت“ جو الاٹ تو والد صاحب کے نام ہوا لیکن محکمہ بحالیات کو اس کی قیمت میں نے اور بھائی اظہار نے ادا کی تھی۔

(iii) مطب کا ساز و سامان، فرنیچر اور کچھ ادویات کا اسٹاک۔

(iv) ”دارالاشاعت الاسلامیہ“ کا کتابوں کا اسٹاک جس کی قیمت کا اندازہ چالیس پچاس ہزار کے لگ بھگ ہوگا۔

(v) گھر کا ساز و سامان---اور اہلیہ کا کچھ زیور---اور

(vi) چند ہزار روپے نقد جو گھریلو اخراجات کے لیے چند ماہ تک کفایت کر سکتے تھے!

۲----- حج سے واپس آتے ہی میں نے دو کام فوری طور پر بلا کسی تاخیر کے کیے:

(i) ادویات اور مطب کا کچھ سامان فروخت کر دیا---اور کچھ فرنیچر بعض احباب کو ہدیہ کر دیا اور اس طرح گویا مطب کی واپسی کی ”کشتیاں“ فوری طور پر جلا دیں۔

(ii) دو بچیاں جو پرائمری اسکول میں زیر تعلیم تھیں انہیں اسکول سے اٹھایا۔ اور ان کے لیے صرف گھریلو تعلیم پر قناعت کر لی۔ تاکہ (ا) اخراجات کی کمی ہو۔ اور (ب) اسکولوں کے عام چلن اور

---

(۱) مٹا دینا، دور کرنا

فیشن اور خصوصاً استانیوں کے عمومی رجحانات سے اثر پذیر نہ ہوں۔ (دونوں بڑے بیٹے اُس وقت سنٹرل ماڈل ہائی اسکول میں زیرِ تعلیم تھے اور ان کے معاشی مستقبل کے لیے دنیوی تعلیم ناگزیر تھی۔)

۳---- اور اس کے بعد جس کامل یکسوئی کے ساتھ دعوتِ تعلم و تعلیمِ قرآن اور تحریک رجوع الی القرآن کو آگے بڑھانے میں ہمہ وقت اور ہمہ تن منہمک ہوا، اس کی روداد ''دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر'' نامی تالیف میں تفصیلاً موجود ہے---- بہرحال اس کا یہ ٹھوس نتیجہ تو ظاہر ہی ہے کہ ایک ہی سال میں ''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور'' کا قیام عمل میں آ گیا۔

۴---- معاشی اور مالی اعتبار سے ''فتحِ باب''[۱] کی پہلی صورت یہ سامنے آئی کہ غالباً وسط ۲۷ء میں برادرم اقتدار احمد میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ''میں آپ کے ساتھ تعاون کا خواہشمند ہوں!'' ---- جس پر بحمد اللہ میں نے ان سے یہی کہا کہ ''اگر تم یہ تعاون صرف بھائی ہونے کے ناتے کرنا چاہتے ہو تو میری غیرت کو گوارا نہیں ہے۔ لیکن اگر میرے مشن میں شرکت کے خواہاں ہو تو جو تعاون کرو گے قبول ہوگا!'' ---- اس پر جب انہوں نے کھلے دل، اور واضح الفاظ میں یقین دلایا کہ صورت واقعتاً دوسری ہی ہے تو میں نے ان کے تعاون کو قبول کرنے کی ہامی[۲] بھر لی---- چنانچہ انہوں نے:

(i) ایک جانب اپنی ایک نئی کمپنی (احمد کنکریٹ لمیٹڈ) میں، جس کے تحت ایک کارخانہ لگایا جا رہا تھا، کچھ حصص اپنی جانب سے میرے نام کر دیئے --- اور اس کے سالانہ منافع وغیرہ کے حساب میں مجھے (غالباً) پندرہ سو روپے ماہوار ادا کرنا شروع کر دیا۔ (کچھ عرصے کے بعد ان کا یہ ماہانہ ''زرِ تعاون'' دو ہزار تک بڑھ گیا۔)

(ii) دوسری جانب جیسے ہی مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا مجوزہ خاکہ سامنے آیا اسکے ''مؤسسین''[۳] میں شرکت اختیار کر لی۔ (انجمن میں بحمد اللہ اسی حیثیت سے عزیزم وقار احمد سلمہٗ بھی شامل ہو گئے۔ چنانچہ بعد میں جب مؤسسین انجمن کے نام حروفِ تہجی کی ترتیب سے

---

(۱) دروازہ کھلنا (۲) اقرار کرنا (۳) بنیاد رکھنے والے

درج ہوئے تو یہ خوبصورت شکل سامنے آئی کہ اول نام برادرم اقتدار احمد کا نام اور آخر عزیزم وقار احمد کا---شاید یہی حکمت ہو اس میں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب بھائیوں میں صرف ایک نام ’’واؤ‘‘ سے شروع کرایا!) بعد میں برادرم اقتدار احمد مع جُملہ اہل وعیال تنظیم اسلامی میں بھی شامل ہو گئے!)

۵-----   انجمن کے قیام کے بعد تو صورت حال یکدم اور یکسر تبدیل ہوگئی اور میں اچھا بھلا خوشحال ہی نہیں، اچھا خاصا ’’سرمایہ دار‘‘ بن گیا۔ اس لیے کہ:

(i) ’’دارالاشاعت الاسلامیہ‘‘ کی بساط لپیٹ دی گئی۔ اور اس کا پورا اسٹاک مکتبہ انجمن نے خرید لیا۔ جس سے میرا منجمد سرمایہ واگذار [(۱)] ہوگیا!

(ii) انجمن نے میرے اصرار کے علی الرغم [(۲)] مجھے ۱۲۔ افغانی روڈ سمن آباد پر واقع اپنے مرکز میں ’’رہائش، بجلی، پانی، گیس اور فون کی سہولیات مفت بہم پہنچا دیں (انجمن کے ذمہ دار حضرات بالخصوص شیخ محمد عقیل اور چودھری نصیر احمد ورک [(۳)] تو اس پر بھی مصر تھے کہ میں ایک مہمانداری الاؤنس بھی قبول کرلوں---- لیکن میں نے اسے منظور نہیں کیا) چنانچہ میرے ذاتی مکان واقع کرشن نگر کا کرایہ میری صافی (NET) آمدنی بن گیا۔ (یہ پہلے بھائی اظہار کا دفتر رہا۔ پھر کچھ عرصہ بھائی اظہار اور برادرم اقتدار کے مشترک کاروبار کا دفتر رہا۔ اور بعد ازاں برادرم اقتدار کے پاس رہا۔)

۶-----   اس سے قبل میرے حلقہ ہائے درسِ قرآن کے نقل وحرکت کی سہولت کے لیے ایک سوزوکی وین (VAN) کی خرید کا معاملہ اس طور سے ہو چکا تھا کہ اس کے لیے دس ہزار روپے عزیزم وقار احمد نے دیئے تھے اور پانچ پانچ ہزار روپے برادرم ڈاکٹر محمد یقین، ڈاکٹر ظہیر احمد، اور ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ نے Contribute کیے۔

۷-----   اسی اثنا میں میں نے اپنے منٹگمری والے مکان کا حصہ بھی بھائی اظہار کے ہاتھ فروخت کر دیا!

---

(۱) کھلنا، چھوڑ دینا (۲) باوجود (۳) مرحوم ومغفور

۸----- اس طرح ''مطب بند کردو گے تو کھاؤ گے کہاں سے؟'' کی آزمائش جو لگ بھگ دو سال تک نہایت خوفناک اور لاینحل [1] صورت میں درپیش رہی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے ایک ڈیڑھ سال ہی کے اندر اندر اس طرح تحلیل ہو کر رہ گئی کہ اگر یہ کسی اور کے ساتھ ہؤا ہوتا اور وہ مجھے اس کی تفصیل سناتا تو خود میں اسے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتا۔

۹----- چنانچہ وہ دن اور آج کا دن میں بحمد اللہ عہد حاضر کی جُملہ سہولتوں سے بقدرِ ضرورت بہرہ ور ہوں، چنانچہ متذکرہ بالا جملہ سہولتیں بھی مجھے مسلسل حاصل رہیں، اور چار پہیوں والی سواری بھی ہمیشہ دستیاب رہی، اوان میں سے کسی چیز کی کمی کے باعث میرے کام میں کبھی کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوئی۔ ''اک بندۂ عاصی [2] کی اور اتنی مدارا تیں!'' [3] کے اس ذاتی تجربہ کے بعد بھی اگر مجھے اللہ کی ربوبیت اور اسکی ''یَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ'' والی شان پر یقین اور وثوق نہ ہو تو تُف [4] ہے مجھ پر اور میرے قلب وذہن پر!!

۱۰----- البتہ اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ میں نے اپنے کھانے پینے اور رہن سہن کے معیار کو کبھی لوئر مڈل کلاس کی سطح سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ اور اس معاملے میں میں اپنے خیال کے مطابق تو ''اَلْقَصْدُ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰی'' [5] پر عمل پیرا رہا ہوں، لیکن دیکھنے والوں کو شاید ''بخل'' [6] کا بھی خیال ہوا ہو، چنانچہ ان وضاحتوں میں غالبًا کوئی حرج نہیں ہے کہ (i) میرے گھر میں ''دوسرا سالن'' اور ''سویٹ ڈش'' کا تصور صرف کسی مہمان داری یا تقریب کے ساتھ وابستہ ہے، ورنہ عام طور پر صرف ایک سالن پکتا ہے۔ (ii) میں نے ۵۵ء کے بعد سے آج تک ایک پیسہ بھی ''فرنیچر'' پر خرچ نہیں کیا۔ اور آج بھی ہمارے یہاں وہی پلنگ زیر استعمال ہیں جو میں نے ۵۵ء میں بنوائے تھے۔ چنانچہ میرے گھر میں کوئی جدید ''BED'' نہیں ہے۔ اور میں خود اس پلنگ پر سوتا ہوں جو ۵۵ء میں بنوایا تھا۔ پہلے اس میں نوار لگی ہوئی تھی۔ جب وہ بوسیدہ ہو گئی تو اسی چارپائی پر لکڑی کا تختہ جڑوالیا گیا اور وہی میری ''استراحت گاہ'' ہے---- یہ لکڑی کا

---

(۱) جو حل نہ ہو سکے (۲) گناہ گار (۳) خاطر تواضع (۴) افسوس (۵) میانہ روی ناداری میں اور دولتمندی میں۔ (۶) کنجوس

تختہ میری کمر کی تکلیف کے اعتبار سے بھی ضروری تھا!---وَقِسْ عَلٰی ذٰلِکَ [(۱)]!! بہر صورت میں نے یہ احتیاط ہمیشہ برتی کہ اپنے گھریلو اخراجات اپنی ''ذاتی آمدنی'' (جو ایک عرصہ تک کرشن نگر والے مکان کے کرایہ پر مشتمل تھی) کے اندر اندر محدود رکھے، اور جو ''تعاون'' برادرم اقتدار احمد کی جانب سے ہوتا رہا اسے جمع کرتا رہا (i) اس نیت کے ساتھ کہ اگر کبھی انجمن یا تنظیم کو کوئی ہنگامی ضرورت پیش آتی تو اس میں صرف کردوں گا---اور (ii) اس خیال کے تحت کہ اگر برادرم اقتدار احمد کے مزاج میں تبدیلی آجائے اور تعاون کا یہ سلسلہ بند ہو جائے تو مجھے اپنے ذاتی اخراجات میں کمی کرنا دشوار نہ ہو جائے!

۱۱----- ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آ گیا اور اس میں شمولیت کی شرائط میں انکم ٹیکس وغیرہ کے معاملات میں بھی شدید پابندیاں عائد ہو گئیں تو میں نے برادرم اقتدار احمد سے کہہ دیا اب میں احمد کنکریٹ کا حصہ دار نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے ان حصص کی نقد قیمت ادا کر دی جس سے (i) ماڈل ٹاؤن میں ایک کنال کا قطعۂ زمین خرید لیا گیا۔ اور (ii) میری چار پہیوں والی سواری کی سطح بھی سوزوکی وین سے بلند ہو کر ٹویوٹا کرولا کو پہنچ گئی۔

۱۲----- اسی زمانے میں بھائی اظہار احمد اور برادرم اقتدار احمد کا دوبارہ کاروباری اشتراک ہوا اور اس میں برادرم اقتدار کے مطالبے پر از سرِ نو سب بھائی جمع ہوئے تو میں نے حصہ داری اور ڈائریکٹری سے تو کچھ سابقہ تجربے، اور کچھ تنظیم اسلامی کی پابندیوں کی بنا پر معذرت کر لی، البتہ ایک یا دو گھنٹے روزانہ کی جزوقتی ملازمت قبول کر لی۔ جس کا مشاہرہ چار ہزار روپے ماہانہ مع ''ڈرائیور سمیت کار'' تھا۔ اور اس طرح یہ چند ماہ ایک طرح کی ''عیاشی'' میں بسر ہوئے۔

۱۳----- آج سے چار پانچ سال قبل جب برادرم اقتدار احمد نے بھی اپنا نیا دفتر (واقع لوئر مال) تعمیر کر لیا تو میرے کرشن نگر والے مکان کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اسے کسی دوسرے شخص کو کرائے پر دے کر مستقل دردِ سر مول لینے پر آمادہ نہیں تھا، لہٰذا کچھ عرصے تک تو برادرم اقتدار احمد اسے خالی رکھ کر بھی کرایہ ادا کرتے رہے لیکن پھر میرے کہنے پر انہوں نے اسے فروخت

---

(۱) اور اسی پر قیاس کرلو۔

کر دیا (اس معاملے میں بھی یہ واقعہ بہت سبق آموز ہے کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ میں اس مکان کے چھ لاکھ روپے لوں گا، چنانچہ انہوں نے گاہک سے اتنی ہی رقم میں سودا طے کر لیا۔ لیکن جب رجسٹری کا مرحلہ آیا تو خریدار نے اسٹامپ ڈیوٹی کے خیال سے کم قیمت کی رجسٹری کرانی چاہی، جس پر میں نے انکار کر دیا۔ اور اس طرح برادرم اقتدار احمد درمیان میں پھنس گئے کہ ایک جانب مشتری سے وعدہ کر لیا تھا اور دوسری جانب بائع [1] یعنی مجھ سے چھ لاکھ کی کمٹمنٹ [2] تھی۔ چنانچہ انہوں نے رجسٹریشن فیس میں غالباً چالیس ہزار روپے اپنی جیب سے ادا کر کے پورے چھ لاکھ ہی کی رجسٹری کرائی--- چنانچہ اتنی رقم کی رجسٹری کرشن نگر کے دس مرلے کے مکان کی شاید ہی کبھی کوئی اور ہوئی ہو۔!)

۱۴----- ماڈل ٹاؤن کا متذکرہ بالا ایک کنال کا پلاٹ--- اور کرشن نگر کے مکان کے حاصل شدہ چھ لاکھ روپے اب قرآن اکیڈمی کے بالمقابل واقع مکان کی صورت اختیار کر چکے ہیں جو دو منزلوں میں تین تین کمروں کے چار فلیٹوں کی صورت میں ہے جو میں نے اپنے چاروں بیٹوں کو ہبہ [3] کر دیئے۔ (اگرچہ ماڈل ٹاؤن سوسائٹی میں غالباً پورا مکان عزیزم عارف کے نام ہے۔)

۱۵----- لیکن اس کی تفصیلی اور عملی صورت یہ ہوئی ہے کہ جو رقم میرے پاس برادرم اقتدار کے "ماہانہ زرِتعاون" کے ذریعے جمع ہوئی تھی اس سے میں نے اپنی پانچوں بیٹیوں کے نام ان ہی کی ایک فیکٹری میں حصص خرید دیئے (جس کے بارے میں انہوں نے یہ فیصلہ واضح طور پر کر لیا تھا کہ اس کے حسابات بالکل درست رکھے جائیں گے، خواہ کچھ بھی ہو جائے!) اور ان کی مالیت سے دگنی رقم تو میں نے متذکرہ بالا فلیٹوں کے ضمن میں بیٹوں کو بھی ہبہ کر دی تھی، بقیہ ان کے ذمہ قرض تھا، جو وہ اب قسط وار ادا کر رہے ہیں جس سے میرا گھریلو خرچ چل رہا ہے!

۱۶----- قیامت کے روز جو پانچ سوال (ایک حدیث کی رو سے) ہر انسان سے کئے جانے والے ہیں ان مین سے دو مال سے متعلق ہوں گے یعنی "وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَهٗ وَفِیْمَا اَنْفَقَهٗ" کہ کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس دن کے حساب کی سختی سے بچا

---

(۱) بیچنے والا (۲) وعدہ (commitment) (۳) عطا بخشش

کر' حِسَاباً یَسِیراً ' کے دامن میں پناہ دے دے---- تاہم اپنی دعوتی تحریکی اور تنظیمی زندگی کا یہ ''حساب کم وبیش'' آج اس لیے علیٰ رؤس الاشہاد (۱) پیش کر دیا کہ (i) اپنوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کا موقع شیطان کو حاصل نہ رہے۔ (ii) غیروں اور دشمنوں کو بھی جھوٹی الزام تراشی اور تہمت طرازی (۲) پر کچھ شرم تو محسوس ہو!

> بہر حال اپنے اور غیر سب کان کھول کر سن لیں: اس پوری دنیا میں متذکرہ بالا مکان کے سوا جواب اصلاً میرے بیٹوں کی ملکیت ہے، میرا نہ کوئی مکان ہے نہ دکان، نہ کوئی پلاٹ ہے نہ فلیٹ، نہ کسی کمپنی میں کوئی حصّہ ہے نہ کسی بھی قسم کے دوسرے حصص، نہ میرے پاس کوئی سرٹیفکیٹ ہیں نہ بانڈز---- اور میری کل جائیداد یا تو گھر کا ساز وسامان ہے، یا ایک پرانی کار! بینک میں میرے واحد ذاتی (کرنٹ) اکاؤنٹ میں آج کی تاریخ میں کل ۷۴۴۸ روپے جمع ہیں، (۳) اس کے علاوہ اہلیہ کے پاس بھی صرف کچھ تھوڑی سی پس انداز (۴) کی ہوئی نقدی ہے، اور پانچ تولے سے بھی کم سونے کا زیور! (۵) مزید برآں، اب کوئی ماہانہ ''زرِتعاون'' بھی کسی بھائی کی جانب سے مجھے نہیں ملتا!!

۱۷---- الحمد للہ کہ بروقت یاد آ گیا--- دو ''جائیدادیں'' ایسی بھی ہیں جو قانوناً میری ''ملکیت'' ہیں لیکن حقیقت میں ''وقف'' ہیں اور میں ان کا صرف متولی (۶) ہوں:-

(۱) گڑھی شاہو میں واقع عمارت جس میں تنظیم اسلامی کے مرکزی دفاتر بھی قائم ہیں اور میرے داماد ڈاکٹر عبدالخالق کی رہائش بھی (اس کا پلاٹ مجھے عبدالواحدؒ نے ہبہ کیا تھا اور اس کی تعمیر میں

---

(۱) گواہوں کے روبرو، اعلانیہ (۲) الزام لگانا (۳) اور آج ۲۱ فروری ۲۰۰۱ء کو وہ بھی صرف ۱۴۵۹/- رہ گئے ہیں۔ (۴) بچی ہوئی (۵) اور وہ بھی حال ہی میں سب سے چھوٹے بیٹے عزیزم آصف حمید کی جانب سے ان کی دلہن کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے! چنانچہ اب بحمد اللہ میری اہلیہ کے پاس بھی سوائے کانوں کی مختصری بالیوں اور ہاتھوں کی دو چوڑیوں کے اور کوئی طلائی زیور نہیں ہے۔! (۶) منتظم

اگرچہ بعض دوسرے رفقاء نے بھی حصہ لیا، لیکن اس میں غالب حصہ صرف برادرم اقتدار احمد ہی کا تھا)۔ اور (ii) کراچی میں فلیٹ نمبر ۱۱۔ داؤد منزل، فریئر روڈ، جس میں تنظیم اسلامی حلقہ سندھ کا دفتر قائم ہے۔ جس کی ملکیت ''تامّ'' نہیں، صرف پگڑی کی مالیت تک محدود ہے۔ اس کی خرید میں بڑی رقم سیٹھ عثمان صاحب کی تھی جس کا وعدہ انہوں نے مجھ سے ٹورنٹو (کینیڈا) میں کیا تھا۔ کچھ حصہ بعض رفقاءِ تنظیم کا تھا اور کچھ خرچ اس پرائیویٹ اکاؤنٹ سے ہوا تھا جس کا ذکر نمبر ۱۹ میں ہوا ہے!

۱۸----- یہ بیان نامکمل بھی رہے گا، اور حق تلفی بھی ہوگی اگر عزیزم وقار احمد سلّمہٗ کے مالی تعاون کا بھی ذکر یہاں نہ ہو جائے۔ کاروباری اعتبار سے ان کی زندگی میں اس اعتبار سے بہت ''آمدورفت''(۱) رہی ہے کہ میرے Q.C.C(۲) سے علیحدہ ہو جانے کے بعد کچھ عرصہ وہ برادرم اقتدار کے ساتھ رہے، پھر کچھ عرصہ بھائی اظہار کے ساتھ رہے، پھر دوبارہ اقتدار کے پاس آگئے، پھر دوسری بار کے کاروباری اشتراک میں شامل ہوگئے، اور بھائی اظہار اور اقتدار کی علیحدگی کے بعد ایک بار پھر کچھ عرصہ بھائی اظہار کے ساتھ رہے اور پھر بالآخر بالکل آزاد ہوگئے--- ان مختلف ادوار میں ان کے میرے ساتھ تعاون کی صورتیں رہیں۔ مثلاً (i) میرے ۷۱۔۱۹۷۰ء کے آمدورفتِ حجازِ مقدس کا ٹکٹ انہوں نے ہی خریدا تھا، (ii) جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے پہلی سوزوکی دین کی خرید میں دس ہزاران کے شامل تھے۔ (iii) پھر میرے تنظیم اسلامی کے سلسلے میں طویل اسفار(۳) کے لیے نسان ویگن بھی ڈیڑھ لاکھ روپے میں انہوں نے ہی خرید کردی تھی (وہ خود بھی تنظیم میں شامل تھے!) (iv) اس کے بعد مختلف مواقع پر وہ کچھ زکوٰۃ کی رقوم مجھے دیتے رہے تا کہ اپنی صوابدید(۴) کے مطابق ان کے وکیل کی حیثیت سے خرچ کردوں (v) اب آخر میں میری پرانی ٹویوٹا کار کو نسبتاً بہتر کار سے تبدیل کرنے کے لیے بھی انہوں نے ایک لاکھ روپیہ پیش کیا تھا جو میں نے قبول کرلیا تھا! (اگرچہ بالفعل اس کا بڑا حصہ میرے اور اہلیہ کے حج پر صرف ہوا۔)

---

(۱) آنا جانا (۲) قریشی کنسٹرکشن کمپنی (۳) سفر کی جمع (۴) مصلحت

۱۹--- ایک مزید اہم بات یہ کہ عزیزم وقار کی طرح بعض دوسرے حضرات بھی کچھ رقوم مجھے خالص ذاتی طور پر دیتے رہے ہیں کہ اپنی صوابدید کے مطابق دین کے کام میں خرچ کردوں، جن کے ذریعے میں بعض رفقاء واحباب کی ذاتی ضرورتیں بھی وقتاً فوقتاً پوری کر دیتا ہوں، اور بعض حضرات کے لیے قرض حسنہ کی صورت بھی اختیار کرتا ہوں۔ اور اس کا کل حساب ذاتی طور پر میرے ہی پاس ہے۔ جس کا نہ انجمن خدام القرآن سے کوئی تعلق ہے نہ تنظیم اسلامی سے۔

۲۰---- مالی حساب کتاب کے ضمن میں یہ آخری بات بھی ہرگز کم اہم نہیں ہے کہ میرے بیرون پاکستان اسفار پر جو بہت سے لوگوں کے لیے صرف حیران کن ہی نہیں مرعوب کن [۱] بھی ہیں آج تک کوئی ایک پیسہ بھی انجمن خدام القرآن لاہور کا صرف ہوا ہے نہ تنظیم اسلامی کا---- یہ سارا خرچ وہ لوگ برداشت کرتے ہیں جو مجھے مدعو کرتے ہیں!---- اسی طرح میرا آج تک نہ کوئی حج سرکاری خرچ پر ہوا ہے نہ عمرہ، مزید برآں ان پر بھی کوئی رقم نہ تنظیم کے بیت المال سے خرچ ہوئی ہے نہ انجمن کے، بعض حج اور اکثر عمرے تو امریکہ جاتے آتے بغیر کسی اضافی خرچ کے ہو گئے اور صرف ایک بار ایک سفرِ حجاز کلیۃً ایک رفیق ڈاکٹر شجاعت علی برنی کے خرچ پر ہوا! اس لیے کہ اس کے لیے خصوصی دعوت ذاتی طور پر ان ہی کی جانب سے تھی! [۲] اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل وکرم سے جس درجہ بچائے رکھا ہے، اس کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ ۸۰ء میں، میں امریکہ میں تھا جب سابق صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق مرحوم کا U.N.O کی جنرل اسمبلی سے خطاب کا پروگرام بنا۔ انہوں نے سفارت خانوں کے ذریعے مجھے تلاش کرا کے یہ پیغام (جو مجھے مانٹریال، کینیڈا میں ملا) دیا کہ آپ امریکہ ہی سے سرکاری وفد میں شرکت پسند کریں گے یا واپس آ کر یہاں سے شریک ہو سکیں گے۔ جس پر میرا جواب تھا ''کسی صورت میں بھی نہیں!'' --- چنانچہ میں اس اجلاس میں ''سامع'' کی حیثیت سے تو موجود تھا لیکن ''سرکاری وفد'' کے رکن کی حیثیت سے نہیں!

۲۱---- اوپر چونکہ آخری کا لفظ استعمال کر چکا ہوں، لہٰذا اب اسے تتمہ [۳] قرار دے لیں کہ

---

(۱) متاثر کرنے والی (۲) اسی طرح کا ایک سفر جنوری ۹۴ء میں تنظیم اسلامی کی ایک رفیقہ مسز شوکت ابراہیم صاحبہ کی دعوت اور خرچ پر ہوا۔ (۳) بقیہ، زائد حصہ

میں نے انجمن خدام القرآن لاہور سے جو سہولتیں حاصل کیں وہ کلیۃً یک طرفہ نہیں ہیں، اس لیے کہ مکتبہ انجمن کو جو نفع میری تصانیف اور تالیفات اور آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں کے ذریعہ ہوتا رہا ہے وہ انجمن کے حسابات سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اور اس حساب میں کبھی کوئی ایک پیسہ بھی میں نے وصول نہیں کیا۔ اور بحمد اللہ میری کسی رائلٹی [1] کی کوئی وراثت ایسی نہیں ہے جو میری اولاد کو منتقل ہو!

۲۲---- ایک مزید تتمہ یہ کہ ---- میں نے شادی بیاہ کی رسومات کے خلاف جو جہاد شروع کیا اس کا یہ نقد فائدہ مجھے حاصل ہوا ہے کہ اپنی کسی بچی کی شادی پر مجھے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرنا پڑا (سوائے اطلاع عام کے لیے جو اخباری اشتہار شائع کیا گیا اس کے رعایتی معاوضے کے!) --- البتہ بیٹوں کی شادیوں پر مہر اور ولیمہ دونوں پر کچھ خرچ ہوا، جس کا انتظام دونوں بڑے بیٹوں یعنی عزیزم ڈاکٹر عارف رشید اور عزیزم حافظ عاکف سعید سلمہما کے سلسلے میں تو اللہ تعالیٰ نے پاکستان ٹی وی کے ذریعے کر دیا تھا --- (اگرچہ یہ واضح رہے کہ ٹی وی پروگراموں کا یہ معاوضہ جبری تھا، ورنہ میرا مطالبہ یہ تھا کہ مجھے کوئی معاوضہ نہ دیا جائے، لیکن جب بات یہاں تک پہنچ گئی کہ اس صورت میں پروگرام ہو ہی نہیں سکتا تب مجھے ماننا پڑا --- اور یہ غالباً اس بنا پر تھا کہ اس صورت میں وہ پروگرام میری ملکیت قرار پاتے جو کار پردازانِ [2] ٹی وی کارپوریشن کو منظور نہ تھا) اسی طرح تیسرے بیٹے یعنی حافظ عاطف وحید سلمہٗ کی شادی کے زمانے میں بھی یہ بالکل اچانک اور خالص غیر متوقع اور غیر مترقب [3] صورت پیدا ہوئی کہ تنظیم اسلامی کے بزرگ رفیق شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی تجویز اور روزنامہ جنگ کے مالک اور مدیر میر خلیل الرحمٰن مرحوم کے اصرار پر ''جنگ'' میں میرے ہفتہ وار مضامین کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس سے میرا مقصد تو صرف قرآن کی دعوت (''الہدیٰ'' سیریز) اور اپنے خیالات کی اشاعت تھا، لیکن ''نَافِلَةً لَّكَ'' [4] کے طور پر اچھا بھلا معاوضہ بھی حاصل ہوا ---- اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس طرح میری دو کتابوں ''استحکام پاکستان'' اور ''مسئلہ سندھ'') کی تالیف کی صورت بن گئی [5]۔

---

(۱) معاوضہ (Royalty) (۲) کارکنان (۳) غیر متوقع (۴) اضافی طور پر

(۵) سب سے چھوٹے بیٹے عزیزم آصف حمید سلمہٗ کی شادی جو حال ہی میں ہوئی ہے، اس کے ضمن میں البتہ مجھے اپنی گاڑی فروخت کرنی پڑی۔

۲۴---- اب حقیقتاً آخری بات یہ کہ مجھے ''جنگ'' میں شائع شدہ مضامین کا معاوضہ بھی میر خلیل الرحمٰن مرحوم نے جبراً دیا تھا، جس کا ایک حصہ میں شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کو دیتا رہا۔ اس لیے کہ وہ ان کی تسوید و تبییض [۱] میں مدد کرتے تھے--- آج کل جو مضامین ''نوائے وقت'' میں شائع ہو رہے ہیں وہ خالص بلا معاوضہ ہیں! [۲]

---

(۱) اصلاح (۲) اب دوبارہ میرے کالموں کا جو سلسلہ روزنامہ جنگ میں شروع ہوا ہے وہ بھی حسبِ سابق بامعاوضہ ہے۔

گزارشِ احوالِ واقعی

از

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسّس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

بانی تنظیم اسلامی اور داعیٔ تحریک خلافت پاکستان

تقدیم

اب سے لگ بھگ دو ڈھائی سال قبل بعض حضرات نے تنظیم اسلامی سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ جیسا کہ ایسے مواقع پر عموماً ہوتا ہے' اوّل اوّل گوناگوں قسم کی تلخیاں بھی پیدا ہوئیں۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بالعموم زخم مندمل ہو جاتے ہیں اور تلخی میں کمی واقع ہو جاتی ہے— چنانچہ ابتدائی ایام میں ایک پرانے سینئر ساتھی نے ایک بہت تیز و تند خط لکھ کر بڑے پیمانے پر پھیلایا تھا' جس میں بعض دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ تنظیم اسلامی کی ہیئت ترکیبی' اور بالخصوص اس میں میرے بیٹوں اور دیگر اعزہ واقارب کی شمولیت کے ضمن میں بعض مغالطوں پر مستزاد نیت پر حملے بھی شامل تھے! چنانچہ یہ بھی کہا گیا کہ میں نے تنظیم اسلامی میں اپنی ''خاندانی بادشاہت'' قائم کر لی ہے۔ اور خاص طور پر یہ کہ میں نے اپنے جانشین کے طور پر حافظ عاکف سعید کی تقرری کا فیصلہ تو بہت پہلے کر لیا تھا' مشاورت کا سلسلہ تو محض ڈھونگ تھا۔ مزید برآں یہ کہ ایک قطعۂ زمین بھی جو ایک صاحبِ خیر نے تنظیم کو ہبہ کیا تھا' اسے اپنی ذاتی ملکیت بنا لیا— وقس علی ذالك! گزشتہ سال (۱۴۲۴ھ) ماہِ رمضان المبارک سے متصلاً قبل میرے ایک کرم فرما نے جن کا کوئی تعلق تنظیم سے نہیں ہے' مجھے متذکرہ بالا خط کے ضمن میں ایک استفساری خط تحریر کیا۔ جس کا جواب میں نے رمضان المبارک ہی کے دوران لکھا' جو مستفسر کو تو ارسال کر دیا گیا' لیکن تنظیم کی موجودہ قیادت نے اس کی اشاعت عام کو پسند نہیں کیا۔ چنانچہ سوا سال کے قریب یہ تحریر سرد خانے میں پڑی رہی' لیکن اب جبکہ وقت کے پُل تلے بہت سا پانی گزر چکا ہے اور حالات بہت حد تک معمول پر آ چکے ہیں' اور اگرچہ امید واثق ہے کہ جن حضرات نے یہ باتیں پھیلائی تھیں وہ بھی ان پر کسی حد تک نادم ہو چکے ہوں گے' تاہم چونکہ یہ باتیں بہت بڑے حلقے میں پھیلائی گئی ہیں لہٰذا ان کے ضمن میں تفصیلی وضاحت ضروری ہے۔ چنانچہ اس کے صرف متعلقہ حصوں کو شائع کیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی اس سوا سال کے دوران جو مزید اقدامات ہوئے ہیں ان کو بھی حاشیہ میں درج کر کے تحریر کو update کر دیا گیا ہے!

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

۱۱ر جنوری ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترمی ومکرمی جناب.................. صاحب، زید لطفکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا ۲ ستمبر کا خط پیش نظر ہے،

جواب یا رسید میں اتنی تاخیر کا سبب یہ ہے کہ قرآن اکیڈمی کے پتے پر آنے والی پوری ڈاک کو، خواہ وہ انجمن سے متعلق ہو، خواہ تنظیم سے، اور خواہ میرے نام سے معنون ہو، انجمن کے ناظم اعلیٰ قمر سعید قریشی صاحب کھولتے ہیں (اِلّا یہ کہ کسی خط پر میرے نام کے ساتھ ''ذاتی'' کی تنبیہ موجود ہو) اور پھر متعلقہ شعبوں کو ارسال کر دیتے ہیں۔ انہوں نے آپ کا خط مجھے دینے کی بجائے تنظیم کے مرکز کو ارسال کر دیا۔ تنظیم اسلامی کے ذمہ داروں نے نہ صرف اسے روک لیا بلکہ اس سے قبل جو خط.................. صاحب کا میرے نام آیا تھا اسے بھی روکے رکھا۔ ان حضرات کا خیال تھا کہ اس سے مجھے صدمہ ہوگا۔ تاہم کسی طرح آپ کے خط کی بھنک میرے کان میں پڑ گئی تب میں نے باصرار وہ خطوط منگوائے (ہمارا تنظیمی مرکز ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن نہیں بلکہ ۶۷۔ اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور پر واقع ہے!)۔ اس طرح لگ بھگ تین ماہ کی تاخیر سے آپ کے خط کا جواب دے رہا ہوں۔

....

....

....

جہاں تک میرے اس دینی فکر کا تعلق ہے، جس کی اساس پر میں نے ''مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ''[1] کی صدا لگائی اور جس پر بالفعل تنظیم اسلامی کی تاسیس ہوئی، اگر کسی صاحب کو اس سے کلّی یا جزوی طور پر اختلاف ہو گیا ہے تو اس میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہے۔ اور سب کو پورا حق حاصل ہے کہ اس پر کھلی تنقید کریں اور دلائل و براہین سے بات کریں، بلکہ اپنے نئے فکر کی اساس پر ایک تعمیر کا

(۱) الصف ۱۴: ''کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں''

آغاز بھی کردیں۔ ہم کھلے دل اور ذہن کے ساتھ ان کی باتوں پر غور کریں گے اور ان شاء اللہ حدیثِ نبوی ؐ ''اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ''(۱) ـــــ اور عام مقولے ''خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا کَدَرَ؟''(۲) پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ اور میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ کم از کم میں اس امکان کی قطعی نفی نہیں کرتا کہ اس طرح قرآن کی پیشینگوئی ''لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ''(۳) کے مطابق خوب سے خوب تر کی جانب سفر کی صورت پیدا ہو جائے!

البتہ جو حملے میری نیت پر کئے گئے ہیں ان کے ضمن میں وہ غیظ و غضب کے جوش اور ردِ عمل کی شدت میں حدود سے تجاوز کر گئے ہیں۔ کسی انسان کی نیت سے یا تو سطحی اور ظنی سطح پر خود وہی انسان مطلع ہو سکتا ہے یا قطعی اور حتمی سطح پر صرف اللہ تعالیٰ! انسانی ذہن کی ایک سطح تو ''شعور'' یعنی Conscious Mind کی ہے اور دوسری عمیق تر سطح ''تحت الشعور'' یعنی Subconscious Mind کی ہے۔ مجھے اپنے شعور کی سطح کی حد تک تو پورا اطمینان ہے کہ الحمد للہ میں نے جس کام میں اپنی پوری زندگی کھپائی ہے اس کے محرکات کے ضمن میں صرف احساسِ فرض اور نجاتِ اُخروی اور رضائے خداوندی کے سوا اور کسی شے کو کوئی عمل دخل حاصل نہیں رہا ـــــ البتہ تحت الشعور کے ضمن میں بفحوائے الفاظ قرآنی ''وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ''(۴) یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ ''اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ'' (۵) ـــــ تاہم یہ معاملہ دنیا میں طے ہونے والا نہیں ہے' یہ راز تو ''یَوْمَ تُبْلَی السَّرَائِرُ''(۶) ہی کو کھلے گا جب ''اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ''(۷) کا معاملہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اُس دن کی رسوائی سے ہم سب کو بچائے' آمین!

میرے ذہن کی شعوری سطح پر خیالات اور نظریات کی جو کھچڑی پکتی رہی اور اس کے زیر اثر جو نقوش شعور کی سطح پر مرتسم ہوتے رہے' ظاہر ہے کہ ان ہی کا ظہور میری عملی زندگی میں ہوا۔ میں

---

(۱) حکمت کی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے (۲) جو صاف ہے لے لے اور جو گدلا ہے چھوڑ دے
(۳) اسی ترح تم لازماً چڑھو گے درجہ بدرجہ (۴) یوسف ۵۳: میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا
(۵) یوسف ۵۳: یقیناً انسان کا نفس تو برائی ہی کا حکم دیتا ہے (۶) الطارق ۹: ''جس دن تمام چھپے رازوں کی جانچ پڑتال ہوگی'' (۷) العادیات ۹، ۱۰: جب نکال لیا جائے گا وہ سب کچھ جو قبروں میں ہے اور ظاہر کر دیا جائے گا جو کچھ سینوں میں ہے

شعوری طور پر ۱۸ سال کی عمر میں تحریک اسلامی سے وابستہ[۱] ہوا تھا (اگرچہ غیر شعوری یا نیم شعوری وابستگی تین سال قبل سے تھی) اور اب میری عمر ساڑھے اکہتر سال سے تجاوز[۲] کر چکی ہے[۳] —— اس ترپین (۵۳) سالہ[۴] سفرِ حیات کے دوران میرا کاروانِ زندگی جس ڈگر پر چلا ہے وہ بحمد اللہ ایک کھلی کتاب ہے۔ اگر مجھے دولت کی ہوس ہوتی تو جس پیشے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے وابستہ کر دیا تھا وہ اس اعتبار سے ایسا برا نہ تھا' پھر اگر حبِّ جاہ ہوتی تو اگر میں اپنی رائے اور ضمیر کو دبا سکتا تو جماعتِ اسلامی میں مناصب کے دروازے بھی کھلے تھے اور ترقی ٔ مراتب و درجات کی سیڑھی بھی موجود تھی —— پھر ملکی سطح پر اس کا موقع دورِ ایوبی میں بھی آیا تھا (جب مولانا کوثر نیازی مرحوم نے اس راہ کو اختیار کیا تھا) پھر ضیاء الحق صاحب کے دور میں اوّلاً مرکزی وزارت بھی پیش کی گئی تھی (جس کے گواہ کراچی میں ضیاء صاحب کے برادر نسبتی سرجن نور الٰہی صاحب موجود ہیں) پھر اگر ضیاء صاحب کی مجلس شوریٰ میں ہاں میں ہاں ملاتا رہتا تو کم از کم ان کے دورِ اقتدار کی بہتی ندی میں تو ہاتھ دھوتا[۵] ہی رہتا! —— میرا حال تو بحمد اللہ یہ رہا ہے کہ جب میں کلینک کرتا تھا تو اگر کبھی مریضوں کی آمد زیادہ ہو جاتی تو دل اچاٹ ہو جاتا اور اندر سے وہی آواز سنائی دینے لگتی جو حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو شکار کھیلتے ہوئے سنائی دی تھی' یعنی ''یَا اِبْرَاھِیْمُ! اَلِھٰذَا خُلِقْتَ اَمْ لِھٰذَا اُمِرْتَ؟''[۶] اور میں کلینک بند کر کے دو چار روز کے لئے کہیں چلا جاتا ——! پھر جب لاہور میں ایک جانب میڈیکل پریکٹس کے تقاضوں اور دوسری جانب حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کی مصروفیات کے مابین کشاکش سے میری صحت جواب دے گئی —— اور یہ فیصلہ کرنے کا وقت آ گیا کہ یا تو حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن کا سلسلہ کسی قدر "Roll back" کر کے مستقل طور پر "Cap"[۷] کر دیا جائے —— یا پھر معاش کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت پر ''اندھا'' اعتماد کرتے ہوئے پریکٹس بند کر کے جملہ صلاحیتیں اور تمام اوقات دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیئے جائیں۔ (جبکہ کوئی دوسرا ذریعۂ معاش سرے سے موجود نہ تھا!) تو میں بے تابی سے منتظر تھا

---

(۱) تعلق (۲) حد سے بڑھنا (۳) جو اَب پونے تہتر برس ہو چکی ہے! (۴) اب پچپن (۵۵) سالہ (۵) موقع سے فائدہ اٹھانا (۶) اے ابراھیم! کیا تجھے اس کام کے لیے پیدا کیا گیا یا اس کا جس کا تجھے حکم دیا گیا (۷) بند

کہ میں فرمانِ الٰہی "حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً" [۱] (الاحقاف:۱۵) کے مطابق نفسیاتی اعتبار سے "بالغ" ہو جاؤں تب مؤخر الذکر صورت کے اختیار کرنے کا فیصلہ کروں! اس لئے کہ شمسی تقویم کے مطابق میں ابھی پونے انتالیس برس کا تھا! ـــــ چنانچہ جیسے ہی فروری ۱۹۷۱ء کی کسی تاریخ کو حرم شریف میں حطیم کے سامنے بیٹھے ہوئے اچانک ذہن میں بجلی کوندی [۲] کہ دین میں اعتبار قمری تقویم کا ہے اور اس کی رو سے تم چالیس برس کے ہو گئے ہو تو فوراً فیصلہ کرلیا کہ پاکستان جاتے ہی مطب بند کر کے معاش سے فارغ ہو کر دین کے لئے وقف ہو جاؤں گا! جس پر بحمد اللہ لاہور پہنچتے ہی فوراً عمل ہو گیا۔ چنانچہ مجھے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک کروڑ میں ایک کی مقدار کے مطابق ہی سے سہی لیکن یہ نسبت بحمد اللہ حاصل ہے کہ جیسے آپؐ نے چالیس سال کی عمر میں آغازِ وحی کے بعد سے حیاتِ دُنیوی کے آخری سانس تک کوئی لمحہ کسب معاش میں صرف نہیں کیا، اسی طرح اللہ کے فضل و کرم سے میں نے بھی قمری حساب سے چالیس برس کی عمر کے بعد سے آج رہی یہ بات کہ ان اکتیس سالوں کے دوران میں نے کہاں سے کھایا پیا، اور میری دیگر ضروریات کیسے پوری ہوئیں، تو اس کا مکمل جواب اس کتاب میں آ ہی چکا ہے۔

الغرض۔ اپنے ذہن کی "شعوری سطح" اور اپنی زندگی کے "ظاہر" کے اعتبار سے تو میں اپنی جگہ بھی پوری طرح مطمئن ہوں کہ میری دینی مساعی کے محرّکات میں نہ ہوسِ دولت کو کوئی دخل حاصل رہا ہے نہ حبّ جاہ کو ـــــ اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی شخص جو کسی ردِ عمل کا شکار نہ ہو اور خالی الذہن ہو کر معروضی طور پر غور کرے وہ اس ضمن میں کسی شک و شبہ کا اظہار کر سکتا ہے۔ باقی رہا تحت الشعور یا لاشعور کا معاملہ تو وہ "سپردم بہ تو مایۂ خویش را۔ تو دانی حساب کم و بیش را!" کے مصداق اللہ کے حوالے ہے، اور حدیث قدسی "اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ" [۳] کے مصداق بحمد اللہ مجھے اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ "یَتَغَمَّدَنِیْ رَبِّیْ بِرَحْمَتِہٖ" [۴] ہی کا معاملہ کرے گا! اَللّٰھُمَّ آمین!!

---

(۱) یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچتا ہے اور چالیس برس کا ہو جاتا ہے (۲) چمکی
(۳) میں اپنے بندے کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہوں جیسا میرے بارے میں گمان رکھتا ہے
(۴) میرا رب مجھے اپنی رحمت میں چھپا لے

اور اب آیئے اس الزام کی جانب کہ میں انجمن اور تنظیم کو اپنی ذاتی جاگیر یا موروثی بادشاہت بنانا چاہتا ہوں' بلکہ الزام تو یہ ہے کہ میرا آغاز ہی سے ارادہ یہی تھا۔ تو اس سے قطع نظر کہ اس کا اصل تعلق بھی نیت سے ہے جس کے بارے میں مفصل گفتگو ہو چکی' دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کی بنیاد اُس بات کو بنایا جا رہا ہے جسے میں اپنی ذات پر اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین فضل و کرم کا مظہر سمجھتا ہوں۔ اور جس کی بنا پر میں اپنے آپ کو خوش قسمت ترین انسان سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ میری دعوت پر لبیک کہہ کر انجمن اور تنظیم میں شمولیت اختیار کرنے والوں میں ایک جانب میرے تمام بیٹے اور ان کی بیویاں اور تمام بیٹیاں اور تمام داماد ـــ اور دوسری طرف میرے تمام بھائی اور ان کی اولاد کی بھی اکثریت شامل ہیں۔ حتیٰ کہ میری والدہ مرحومہ اَعْلَی اللّٰہُ دَرَجَاتِھَا فِی الْجَنَّۃِ (۱) نے بھی مجھ سے بیعت کی تھی ـــ اور اب ہماری جو تیسری نسل وجود میں آ چکی ہے' جو ہمارے پوتوں' پوتیوں نواسوں اور نواسیوں کی بحمد اللہ ایک بڑی تعداد پر مشتمل ہے' اس میں سے بھی جو جوانی کی عمر کو پہنچ رہے ہیں ان کی بھی اکثریت نہ صرف یہ کہ تنظیم میں شامل ہے بلکہ بحمد اللہ فعّال بھی ہے۔

یہ بات اب تک تو میری تعریف اور تحسین کے طور پر بیان کی جاتی تھی اور اسے میرے خلوص و اخلاص کی دلیل کے طور پر بیان کیا جاتا تھا' لیکن اب اسے برعکس معنی پہنائے جا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ امر فطری ہے کہ میرے جو اعزہ و اقارب اس کام میں پوری فعالیت (۲) اور تندہی (۳) کے ساتھ لگے تو انہیں ان کی صلاحیتوں اور جذبہ و عزم کی نسبت سے انجمن اور تنظیم میں مختلف ذمہ داریاں سونپی گئیں یا عرفِ عام میں منصب اور عہدے تفویض کیے گئے ـــ لیکن تنظیم کے ''عہدیداروں'' میں تو ان کا تناسب آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں ہے ـــ چنانچہ موجودہ امیر تنظیم سے قطع نظر کہ ان کا معاملہ بعد میں جداگانہ طور پر بیان ہوگا' تنظیم کی اعلیٰ ترین مجلس یعنی مرکزی عاملہ کے پانچ ارکان میں سے صرف ایک میرے عزیز (داماد) ہیں' جبکہ توسیعی مجلس عاملہ جس میں مختلف حلقوں کے امراء و ناظمین شامل ہیں' ان کے پندرہ کے لگ بھگ ارکان میں سے کوئی ایک بھی میرا رشتہ دار نہیں ہے ـــ اسی طرح مرکزی مجلس مشاورت کے منتخب ارکان میں سے بھی' جن کی تعداد ۳۰' ۳۵ سے کم نہیں ہوگی' میرے صرف ایک بھائی (ڈاکٹر ابصار

---

(۱) اللہ تعالیٰ جنت میں ان کے درجات بلند کرے (۲) کارکردگی (۳) محنت

احمد) شامل ہیں[۱] اور وہ بھی ''نامزد'' ہرگز نہیں ہیں بلکہ رفقاء کے ووٹوں سے منتخب ہوئے ہیں!۔ البتہ مرکزی انجمن خدام القرآن میں یہ تناسب قدرے زائد ہے! ——

لیکن اگر ''ذاتی جاگیر'' یا ''موروثی بادشاہت'' سے اصل مقصد مالی منفعتیں اور ان کے مفادات ہوتے ہیں تو دیکھ لیا جانا چاہئے کہ خود میں نے اور میرے اعزہ نے تنظیم اور انجمن سے کیا کچھ مفادات اور منفعتیں حاصل کیں! ——

اس سلسلے میں میں سب سے پہلے میں اپنا حساب پیش کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ میں اس کی تفصیل اپنے کتابچے ''حساب کم وبیش'' میں پیش کر چکا ہوں' تاہم یہاں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجمالاً وضاحت کر دوں کہ میں نے تنظیم اسلامی سے تو نہ آج تک ایک پیسے تک کی کوئی تنخواہ یا کسی اور نوعیت کی کوئی اور منفعت یا رعایت حاصل کی' نہ ہی تنظیم کے بیت المال اور اس کے حساب کتاب سے کبھی میرا کوئی تعلق رہا۔ البتہ انجمن خدام القرآن کے یوم تاسیس ہی سے مجھے بحیثیت ''صدر مؤسس'' رہائش کی سہولت مع بجلی' پانی' گیس اور فون کی سہولتوں کے حاصل رہی ہے اور اب بھی حاصل ہے۔ لیکن میرے ''ایوانِ صدر'' کی کیفیت یہ ہے کہ لگ بھگ چھ چھ مرلوں پر تعمیر شدہ آٹھ رہائشی کوارٹروں میں سے (جن میں سے چار گراؤنڈ فلور پر ہیں اور چار دوسری منزل پر) گراؤنڈ فلور کے ایک کوارٹر میں ۱۹۷۷ء سے مقیم ہوں —— اور میری خواہش تو یہی ہے کہ میرا جنازہ یہیں سے نکلے' البتہ الفاظ قرآنی ''وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ''[۲] کی رُو سے یہ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ وہ مرحلہ کب اور کہاں آئے گا! —— اس کے علاوہ میری ادویات کا بل بھی ایک عرصہ تک انجمن ادا کرتی رہی لیکن اب اسے میں نے ختم کر دیا ہے۔ باقی میں نے انجمن کے حسابات کا جو نظام اوّل روز سے بنایا تھا اس کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ انجمن کی ۳۱ سالہ[۳] تاریخ میں مَیں نے کبھی انجمن کے ایک پیسے کو بھی ہاتھ نہیں لگایا —— اس لئے کہ انجمن کو وصول ہونے والی جملہ اعانتیں اور عطیات کرنٹ اکاؤنٹ نمبر ایک میں جمع ہوتے ہیں۔ اور اس کے ضمن میں چیک تو اگرچہ میں ہی تنہا اپنے دستخطوں سے جاری کرتا ہوں لیکن یہ طے ہے کہ میں اس سے

---

(۱) اس دوران میں مرکزی مجلس مشاورت کا جو انتخاب ہوا اس میں میرے بڑے بیٹے عزیزم ڈاکٹر عارف رشید بھی منتخب ہو گئے ہیں۔ (۲) لقمٰن ۳۴: اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں اس کی موت واقع ہو گی (۲) اب ۳۳ سالہ

کیش کے حصول یا کسی اور فرد یا ادارے کے نام چیک جاری نہیں کر سکتا ـــــ بلکہ صرف اکاؤنٹ نمبر۲ کے لئے جاری کر سکتا ہوں ـــــ جس سے کیش کا حصول یا بذریعہ چیک ادائیگی انجمن کے دو اعلیٰ عہدیداروں یعنی ناظم اعلیٰ اور ناظم بیت المال کے دستخطوں سے ہوتی ہے ـــــ اور انجمن کی پوری تاریخ کے دوران ان دونوں عہدوں میں سے کسی ایک پر بھی کبھی میرا کوئی رشتہ دار فائز نہیں رہا! (سوائے اس کے کہ میرے داماد کلاں عزیزم محمود عالم میاں سید سراج الحق کے دفعتاً کراچی منتقل ہونے پر چند ماہ کے لئے گویا قائم مقام ناظم اعلیٰ کے طور پر کام کرتے رہے' بعد ازاں یہ منصب برادرم قمر سعید قریشی نے سنبھال لیا)۔

اس ضمن میں یہ بات بھی واضح ہو جائے تو بہتر ہے کہ تنظیمِ اسلامی کے برعکس انجمن میں میرے انتقال یا کسی سبب سے مستعفی ہونے کے بعد آئندہ کے صدر کے ضمن میں نہ مجھے کوئی نامزدگی کا اختیار حاصل ہے' نہ ہی میرے بیٹوں یا دیگر اعزہ کو کوئی خصوصی استحقاق حاصل ہوگا' بلکہ اس کا فیصلہ انجمن کی مجلس شوریٰ کرے گی!

اور اب آیئے میرے بیٹوں اور دامادوں کی جانب ـــــ میرے دونوں بڑے بیٹوں یعنی عزیزان ڈاکٹر عارف رشید (ایم بی بی ایس) اور حافظ عاکف سعید (ایم اے فلسفہ) نے قرآن اکیڈمی کی فیلوشپ سکیم میں پانچ دوسرے نوجوانوں کے ساتھ داخلہ لیا تھا۔ اور چونکہ یہ سب یا ڈاکٹر تھے یا ایم اے اور ایم ایس سی لہٰذا انہیں گریڈ ۱۷ کی تنخواہ دی گئی تھی۔ بہرحال ان سات افراد کو تین سال تک خصوصی انتظام کے تحت عربی زبان اور علوم اسلامی کی تعلیم دی گئی ـــــ پیش نظر یہ تھا کہ یہ حضرات مزید مطالعہ کے ساتھ تحقیق و تخلیق کے میدان میں ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ'' کے لئے کام کریں ـــــ لیکن ان میں سے اکثر نے تو یہ خود ہی کہہ دیا کہ ان میں علمی تحقیق اور تصنیف و تالیف کا ذوق نہیں ہے' لہٰذا انہیں ان کی خواہش پر علیحدہ کر دیا گیا۔ (البتہ یہ حضرات دعوتی سطح پر قابلِ قدر کام کر رہے ہیں!) ـــــ صرف ایک صاحب کو ان کی بھی کامل عدم مناسبت کی وجہ سے ہم نے خود علیحدہ کیا۔ بہرحال ان سات نوجوانوں میں سے صرف عزیزم عاکف سعید ثابت قدمی کے ساتھ کام کرتے رہے ـــــ تا آنکہ جب وہ تنظیم اسلامی کی امارت کے منصب پر فائز کر دیئے گئے تو انہوں نے انجمن سے تنخواہ کی وصولی کا سلسلہ بند کر دیا ـــــ اب جو جزوی خدمت وہ انجمن کے اکیڈمک ونگ اور قرآن کالج کی نگرانی کی صورت میں کر رہے ہیں اس کے ضمن میں انہیں تنخواہ تو

کوئی نہیں ملتی البتہ کالج کے عمارتی کمپلیکس میں صرف رہائش کی سہولت حاصل ہے! (رہا امارتِ تنظیم اسلامی کا ''عہدہ''تو وہ تو خالص اعزازی ہے ہی!)

میرے بڑے بیٹے عزیزم ڈاکٹر عارف رشید نے بھی کچھ متذکرہ بالا وجہ کی بنا پر اور کچھ برادر عزیز اقتدار احمد مرحوم کی اس خواہش کی بنا پر کہ وہ ان کے کاروبار کے انتظامی امور میں ان کے بیٹوں کا ہاتھ بٹائیں' فیلوشپ سکیم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ (برادرم اقتدار احمد کے ایک داماد جو اُن کے کاروبار کی اصل روحِ رواں[1] تھے۔اور ان کے ایک بیٹے جو میرے داماد بھی تھے اور جنہوں نے رجوع الی القرآن کا ایک سالہ کورس بھی مکمل کیا تھا ایک حادثے میں راہیٔ ملک بقا ہو گئے تھے 'یغفر الله لهما![2]۔اس بنا پر انہیں واقعی مدد کی ضرورت تھی) —— بہر حال اس وقت سے ان کی معاش اس کاروبار ہی سے وابستہ ہے —— اور تنظیم اسلامی کے ساتھ ساتھ جس کی ایک مقامی تنظیم کی امارت کی ذمہ داری ان کے سپرد ہے' انجمن اور قرآن اکیڈمی کی مختلف النوع خدمات (مثلاً جامع القرآن میں جمعہ کی امامت وخطابت اور درس قرآن۔اور انجمن کے تعمیراتی اور مرمت وغیرہ کے کاموں کی نگرانی —— وہ خالص اعزازی طور پر ادا کر رہے ہیں۔

میرے تیسرے بیٹے عزیزم حافظ عاطف وحید ایم اے (اکنامکس) کرنے کے بعد کچھ عرصہ قرآن کالج میں پڑھاتے بھی رہے اور اس کے ناظم بھی رہے —— جس کی تنخواہ بھی وہ وصول کرتے رہے' لیکن غالباً پانچ چھ سال قبل وہ پی ایچ ڈی کرنے کے لئے اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد چلے گئے تھے —— اُس وقت سے تاحال وہ تنظیم کے عام رفقاء کے مانند خالص اعزازی طور پر کام کر رہے ہیں![3]

---

(۱) مرکزی شخصیت (۲) اللہ تعالیٰ ان دونوں کی بخشش فرمائے

(۳) اب سے لگ بھگ چھ ماہ قبل جب مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور میں شعبۂ تحقیق وتربیت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا تو انہیں اس کے ناظم کے طور پر کام کرنے کے لئے اسلامی یونیورسٹی سے لاہور بلا لیا گیا۔ان کی لاہور آمد اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے deputation کے طور پر ہے۔اور انہوں نے جو تنخواہ وہ وہاں وصول کر رہے تھے اس میں سے ایک تہائی کم کر کے وصول کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

میرے چوتھے اور سب سے چھوٹے بیٹے عزیزم آصف حمید نے ایم اے عربی کرنے کے بعد کچھ عرصہ قرآن کالج اور رجوع الی القرآن کورس میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے اور اس کی تنخواہ انہیں دی گئی۔ پھر جب ہمارے شعبۂ سمع و بصر کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا اور محسوس یہ ہوا کہ کمپیوٹر اور آئی ٹی کے میدان میں اللہ نے انہیں نمایاں صلاحیتیں عطا کی ہیں تو انہیں اس شعبہ کا انچارج بنا دیا گیا، جس پر انہیں کچھ تنخواہ بھی ملتی ہے۔ اور متذکرہ بالا کوارٹروں میں سے ایک کوارٹر بھی انہیں الاٹ ہے!

میرے دامادوں میں سب سے بڑے عزیزم محمود عالم میاں، ایم ایس سی کیمسٹری ہیں اور محکمہ پی سی ایس آئی آر میں گریڈ ۱۹ کے ملازم تھے اور —— اس ملازمت سے ریٹائرمنٹ میں ابھی دس سال بقایا تھے —— کہ ایک روز میں نے کسی خاص کیفیت میں ان سے کہہ دیا کہ اب ملازمت کو خیر باد کہو اور ہمہ تن دین کی خدمت کے لئے وقف ہو جاؤ۔ میں تو یہ کہہ کر دورے پر کراچی چلا گیا۔ اور وہاں مجھے خیال آیا کہ میں نے غلطی کی ہے، ان کے بچے ابھی چھوٹے ہیں اور انہیں ملازمت جاری رکھنی چاہیے۔ لہٰذا میں لاہور واپس جا کر کہہ دوں گا کہ میری بات کو نظر انداز کر دو —— لیکن واپسی پر یہ سن کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی کہ وہ ان ایام کے دوران ہی استعفاء داخل کر چکے تھے —— اُس وقت سے وہ انجمن کے ناظم عمومی (جنرل منیجر) کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ ان کو کوئی تنخواہ نہیں دی جا رہی ہے۔ صرف ایک کوارٹر میں رہائش کی سہولت ہے —— باقی وہ اپنا گزارہ اپنی پینشن اور ایک دس مرلے کے ملکیتی مکان کے کرائے سے کر رہے ہیں!

دوسرے داماد ڈاکٹر عبدالخالق ہیں، جو کوالیفائڈ ڈینٹل سرجن ہیں اور ڈنٹسٹری کی پریکٹس کرتے تھے۔ لیکن جب میں نے تنظیم کی طرف سے دعوتِ عام دی کہ کچھ تعلیم یافتہ اور صاحب صلاحیت رفقاء اپنی ملازمتوں اور پیشوں کو ترک کر کے تنظیم کے ہمہ وقت کارکن بن جائیں تو دوسرے متعدد رفقاء کے ساتھ انہوں نے بھی اس پکار پر لبیک کہی اور اپنی پریکٹس کی بساط لپیٹ دی۔ چنانچہ اس وقت سے تاحال وہ تنظیم کے ہمہ وقت بامشاہرہ کارکن کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں![(۱)]

---

(۱) اس دوران میں جب تنظیم کی شوریٰ نے طے کیا کہ ہمہ وقتی کارکنوں کا سلسلہ کم از کم کر دیا جائے اور لوگ اپنی معاش کا بوجھ خود اٹھاتے ہوئے تنظیم کے لئے رضا کارانہ کام کریں تو انہوں نے >>

میرے داماد نمبر ۳ اور نمبر ۴ یعنی عزیزان سعید اسعد اور مجید امجد میرے حقیقی بھتیجے اور برادرم اقتدار احمد مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ ان کا بحمد اللہ بہت وسیع کاروبار ہے۔ چنانچہ وہ تنظیم میں شامل تو ہیں اور غالباً ''ملتزم'' بھی ہیں تاہم زیادہ فعال نہیں!۔ بہر حال تنظیم یا انجمن سے ان کے کسی مفاد کے حصول کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' اس لئے کہ وہ تو اصلاً دونوں کے مالی اور معاشی معاون ہیں ـــ جس کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ انہوں نے دو سال قبل اپنی تقریباً بیس لاکھ روپے کی جائیداد تنظیم کے کام کے لئے وقف کر دی ہے۔

سب سے چھوٹے داماد ڈاکٹر خالد ضیغم ہیں جو ایم بی ایس ہیں ـــــ لیکن کچھ خاندانی حالات اور کچھ اپنی افتادِ طبع (۱) کی بنا پر وہ کہیں جم کر کام نہیں کر سکے ـــــ اور وہ بھی کچھ عرصہ تنظیم میں شامل رہے لیکن ان کے مزاج کو تنظیم کی ''ٹھنڈی ٹھنڈی'' دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں سے زیادہ مناسبت جہاد اور قتال کے ''گرما گرم'' کام سے ہے۔ بہر حال تنظیم یا انجمن سے کسی مفاد یا منفعت کے حصول کا کوئی سوال ان کے ضمن میں بھی پیدا نہیں ہوتا۔

موہومہ ''جاگیرداری'' اور ''موروثی بادشاہت'' کا تعلق تو اگرچہ مردوں ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے جن کا ''حساب کم و بیش'' اوپر بیان ہو چکا ہے' تاہم 'تحدیثاً لِلنّعمة' خواتین کا بھی ذکر ہو جائے تو حرج نہیں۔ میری والدہ صاحبہ مرحومہ جماعت اسلامی منٹگمری (موجودہ ساہیوال) کے حلقۂ خواتین کی ناظمہ تھیں۔ اور انہوں نے میرے اور میرے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کے لئے رشتے خاندان سے نہیں بلکہ اس حلقے میں شامل لڑکیوں ہی میں سے منتخب کئے تھے۔ اور یہ پہلے عرض کیا ہی جا چکا ہے کہ جب تنظیم قائم ہوئی تو انہوں نے بھی میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پھر جب تنظیم اسلامی کا حلقہ خواتین قائم کیا گیا تو اس کی ناظمہ میری اہلیہ مقرر ہوئیں (انہوں نے منٹگمری کے مدرسہ بنات الاسلام سے عربی قواعد کی تعلیم اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا پورا ترجمہ بھی پڑھا تھا)۔ بہر حال میری اہلیہ اور ان کے ساتھ ساتھ تنظیم اسلامی کی دوسری بیسیوں رفیقات کے

>> بھی ''پسپائی'' کے پہلے قدم کے طور پر تنظیم میں اپنے اوقات کار صرف صبح تا ظہر کرائے ہیں اور شام کے اوقات میں اپنی ڈینٹل پریکٹس شروع کر دی ہے اور تنظیم سے معاوضہ بھی اسی نسبت سے کم کر لیا ہے۔ (۱) طبیعت کا رُجحان

علاوہ میری تمام بیٹیاں اور اکثر بہوئیں بھی خواتین میں قواعد عربی کی تدریس اور ترجمہ و درس قرآن کی خدمات بھی' بحمد اللہ' بھرپور طور پر ادا کر رہی ہیں۔ اور تنظیم کے حلقہ خواتین کو بھی خوش اسلوبی سے چلا رہی ہیں!

اب ع ''بارے 'بھائیوں' کا بھی کچھ بیاں ہو جائے!'' ۔ میرے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب زمانہ طالب علمی ہی میں جماعت اسلامی سے متعارف ہوئے اور پاکستان کے قیام کے فوراً بعد جماعت کے رکن بن گئے اور ایک عرصہ تک بہت جوش و خروش سے کام کرتے رہے۔ بعدازاں جماعت کی رکنیت سرکاری ملازمت کی وجہ سے چھوڑنی پڑی —— وہ بہت ماہر انجینئر ہیں' اور اس وقت ملک کے طول و عرض میں ''تیار چھتوں'' کی فیکٹریوں کا جو جال پھیلا ہوا ہے اس پورے سلسلے کے ''موجد'' اور باوا آدم وہی ہیں۔ ان کا کاروبار بہت وسیع ہے جو ان کی علالت (۱) کی بنا پر اب ان کے ماشاء اللہ پانچ بیٹے بہت خوش اسلوبی سے چلا رہے ہیں۔ ان کی تنظیم میں شمولیت قدرے دیر سے ہوئی —— وجہ اس کی یہ تھی کہ انجمن اور تنظیم کے قیام سے قبل ہم سب بھائیوں کا ایک کاروبار میں اشتراک ہوا تھا جو بوجوہ نہ چل سکا' تو جب علیحدگی ہوئی تو کچھ تلخیاں بھی پیدا ہوئیں جن کے اثرات کافی دیر تک چلتے رہے — بہرحال الحمد للہ کہ اب وہ اپنے تین صاحبزادوں سمیت تنظیم میں شامل ہیں اور حال ہی میں جب یہ تجویز سامنے آئی کہ تنظیم کے مرکزی دفاتر کے لئے لاہور کی گنجان آبادی سے ذرا باہر نکل کر کسی قدر وسیع رقبہ لے کر وہاں مرکز کی تعمیر کی جائے تو میرے توجہ دلانے پر انہوں نے ایک بڑی خطیر رقم کا وعدہ کیا' جس کی پہلی قسط وصول بھی ہو چکی ہے! (۲)

باقی تین بھائی مجھ سے چھوٹے تھے۔ اور وہ تینوں تقریباً ابتدا ہی سے تنظیم میں شامل ہیں۔ مجھ سے دوسرے نمبر پر برادرم اقتدار احمد مرحوم تھے' جن کا انتقال جون ۱۹۹۵ء میں ہو گیا تھا' لیکن ان کی ایک یادگار تو ''ندائے خلافت'' کی شکل میں موجود ہے —— دوسری وہ عمارت جس میں اس وقت تنظیم کے دفاتر قائم ہیں اس کی تعمیر میں بھی تقریباً سات لاکھ روپیہ اُن ہی کا صَرف ہوا تھا۔ اب ان کے دونوں بیٹوں نے جو جائیداد تنظیم کے لئے وقف کی ہے اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

---

(۱) بیماری (۲) اس عرصے کے دوران میں ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَرَحِمَہٗ!

برادرم اقتدار احمد تنظیم کے قیام سے بھی پہلے انجمن کے تاسیسی (۱) ارکان میں شامل تھے ـــــــ اور میں اپنی تحریک کے ضمن میں اس دنیا میں سب سے بڑھ کر ان ہی کی رفاقت اور تعاون کا ممنونِ احسان ہوں۔

ان کے بعد نمبر برادر عزیز وقار احمد کا ہے۔ وہ بھی انجمن کے مؤسسین میں شامل ہیں (اور عجیب اتفاق یہ ہوا تھا کہ جب انجمن کے مؤسسین کی فہرست الف ب ت کی ترتیب سے مرتب کی گئی تو پہلا نام برادرم اقتدار احمد مرحوم کا تھا جو الف سے شروع ہوتا ہے۔ اور آخری نام برادرم وقار احمد کا تھا جو 'واؤ' سے شروع ہوتا ہے!)۔ الحمد للہ کہ ان کا بھی کاروبار خاصا وسیع ہے۔ اور یہ بھی انجمن اور تنظیم سے کچھ لینے والے نہیں بلکہ دینے والوں میں ہیں!

سب سے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد ہیں' جو فلسفہ کے 'فل پروفیسر' ہیں اور ایک عرصہ تک جامعہ پنجاب میں شعبۂ فلسفہ کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ بھی رہے ہیں۔ انجمن میں قرآن اکیڈمی کے اعزازی ڈائریکٹر رہے' اور میرے لگ بھگ درجن بھر کتابچوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اور کبھی ایک پیسے کا بھی کوئی معاوضہ یا کوئی اور مفاد انجمن سے حاصل نہیں کیا۔ تنظیم کے ملتزم رفیق' اور مرکزی شوریٰ کے رکن ہیں! اور کئی مرتبہ میں نے جب انہیں اس حال میں دیکھا کہ تنظیم کے زیر اہتمام مظاہروں میں پلے کارڈ اٹھا کر چل رہے ہیں تو اللہ کا شکر بھی قلب کی گہرائیوں سے نکلا۔ اور یہ خیال بھی آیا کہ یہاں سے گزرنے والے لوگوں کو کیا معلوم ہوگا کہ ان پلے کارڈز اور بینر اٹھا کر کھڑا ہونے یا چلنے والوں میں سے اکثر پڑھے لکھے اور بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی شامل ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک پی ایچ ڈی فلسفہ از لندن اور ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ آف فلاسفی' جامعہ پنجاب بھی ہیں!

الغرض' یہ ہے میری ''خاندانی بادشاہت'' ـــــ اور بقول ع ''اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر!''
اب اگر کوئی شخص بالکل اندھا بہرا ہو کر آسمان پر تھوکنا چاہے تو اس کی مرضی!!

جہاں تک عزیزم حافظ عاکف سعید سلمہ' کی بطور امیر تنظیم اسلامی نامزدگی کا تعلق ہے' تو یہ

---

(۱) اولین ارکان

کوئی اچانک پیش آنے والا حادثہ یعنی "BOLT FROM THE BLUE" نہیں ہے بلکہ اس ''قطرے کو گہر ہونے تک'' پورے چار سال کا عرصہ لگا۔ جس کے دوران ''وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ''(۱) کے جملہ تقاضے ادا کئے گئے! اس سلسلے میں حسب ذیل نکات پیش نظر رہنے چاہئیں:

(۱) تنظیم کے دستور العمل میں اوّل یوم سے یہ طے ہے کہ: (دفعہ ۲۔الف)

''امیر تنظیم کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی مجبوری یا معذوری کی بناء پر اپنے منصب سے دست بردار ہونے کی صورت میں اپنا جانشین نامزد کریں۔ بصورتِ دیگران کی وفات پر نئے امیر تنظیم کا انتخاب مرکزی مجلس مشاورت سات دن کے اندر اتفاق رائے یا اختلاف کی صورت میں کثرت رائے سے کرے گی......''

(۲) تاہم اس سلسلے میں ''مشاورت'' کا سلسلہ ۹۴ء سے شروع ہوا جبکہ مرکزی مجلس مشاورت کے اجلاس منعقدہ ۷۔۸ر فروری میں اس موضوع پر بحث ہوئی کہ آیا میں اپنے بعد کے لئے اپنا جانشین نامزد کردوں! (جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا) یا اسے رفقاء پر چھوڑ دوں کہ وہ خود اپنی صوابدید(۲) سے فیصلہ کریں (جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے کیا تھا!) طویل بحث مباحثے کے بعد رائے شماری ہوئی تو جدید اصطلاح میں HUNG PARLIAMENT والی صورت حال پیدا ہوگئی کہ ۱۳ ارکان کی رائے نامزدگی کے حق میں تھی اور اتنے ہی ارکان معاملے کو OPEN رکھنے کے حق میں تھے۔ (بعد ازاں ۸۔۹ر جون کی مشاورت میں ایک اور معزز رکن شوریٰ نے نوٹ کرایا کہ ان کی رائے گنتی میں آنے سے رہ گئی تھی۔ ان کی رائے بھی OPEN رکھنے کے حق میں ہے۔ گویا اب معاملہ 14 vs13 کا ہوگیا' لیکن ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی فیصلہ کن صورت نہیں تھی!)

(۳) چنانچہ تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع' منعقدہ اکتوبر ۱۹۹۴ء کے موقع پر میں نے اعلان کیا تھا کہ میرے بعد تنظیم کی امارت کے مسئلے کے ضمن میں جو دو متبادل صورتیں ہمارے نظام العمل میں درج ہیں ان میں سے کسی ایک کے بارے میں حتمی فیصلے کے لئے رفقاء سے مشورے کے لئے

---

(۱) الشوریٰ ۳۸: اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے (۲) مناسب رائے

تنظیم کے ملتزم رفقاء کا ایک کُل تنظیم خصوصی اجتماع اپریل ۱۹۹۵ء میں منعقد ہو گا۔

(۴) چنانچہ تنظیم اسلامی کا آل پاکستان اجتماع ملتزم رفقاء ۲ تا ۴ر اپریل ۹۵ء لاہور میں منعقد ہوا۔ اس میں مشورہ طلب امور کے تعین کے لئے میں نے ایک مکتوب جملہ ملتزم رفقاء کو ۲۱ر مارچ ۹۵ء کو ارسال کیا' جس میں وضاحت کی کہ:

''چند روز قبل جبکہ بفضلہٖ تعالیٰ امید واثق ہو گئی کہ یہ اجتماع حسبِ منشا منعقد ہو ہی جائے گا تو میرے ذہن نے اس سے بھر پور استفادہ کے لئے ترتیب مباحث پر غور کیا تو میں حسب ذیل نتائج تک پہنچا ہوں:

۱) میرے بعد کے دور کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے ہوئے سب سے پہلے ہمیں نظام بیعت پر بھر پور نظر ثانی کر لینی چاہئے۔ تا کہ (i) اگر کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو اس کا فیصلہ کر لیا جائے۔ ورنہ (ii) اگر بعض حضرات کے ذہنوں میں کوئی اشکال (۱) ہو تو وہ رفع (۲) ہو جائے۔ اور ہم اسے زیادہ نئے اور زیادہ بھر پور انشراح صدر (۳) کے ساتھ جاری رکھ سکیں۔

اس ضمن میں حسب ذیل دو باتیں میری جانب سے پیش نظر رہیں:

ایک یہ کہ اگر چہ میرے نزدیک اقامت دین کی جدوجہد کے لئے قائم ہونے والی جماعت کے لئے واحد منصوص' مسنون اور ماثور اساس صرف شخصی بیعت ہی کی ہے' تاہم میں ہمیشہ سے یہ کہتا رہا ہوں کہ مغربی طرز کی دستوری تنظیم کو بھی میں حرام یا ممنوع نہیں بلکہ ''مباح'' (۴) سمجھتا ہوں۔

دوسرے یہ کہ نظام بیعت کے لئے کتاب وسنت اور سیرت و تاریخ سے مطابقت پر مستزاد جو عقلی استدلال ہے اس کا بھی ایک جزو تو مستقل اور ابدی ہے یعنی یہ کہ انقلابی جدوجہد کے آخری یعنی اقدامی مرحلے کے لئے اس طرز کا نظم قطعاً ناگزیر ہے اور اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ طبائع کو پہلے ہی سے اس کا خوگر بنایا دیا جائے ...... لیکن ایک جزو صرف داعیٔ اوّل اور مؤسس تنظیم کی ذات سے متعلق ہوتا ہے' یعنی یہ کہ کسی بھی دعوت وتحریک کا داعی ہی اس کے جملہ مضمرات اور مقدرات کو

---

(۱) دشواری (۲) دور (۳) دلی اطمینان (۴) جائز

بہتر طور پر جانتا ہے اور چونکہ تنظیم اور جماعت کی پوری تعمیر میں ایک ایک اینٹ اسی کے ہاتھ کی رکھی ہوئی ہوتی ہے لہٰذا اس کی ذات میں ''اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ''(۱) کا عکس اور ''صاحبُ البیتِ ادریٰ بِمَا فِیْھا''(۲) کی کیفیت موجود ہوتی ہے' لیکن یہ دلیل اس کے بعد کسی دوسرے شخص کے حق میں موجود نہیں ہوتی' اس لئے کہ وہ سب لوگ جو اس داعی کی دعوت پر جمع ہوتے ہیں اس اعتبار سے کم و بیش مساوی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ (یہی وجہ ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور میں بھی میں نے اپنے لئے تو ''حق استرداد''(۳) (VETO) رکھا تھا' لیکن میرے بعد کسی صدر انجمن کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔)

بنابریں اس مسئلے پر غور کر لینے میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہے!......

لیکن اگر نئے انشراح صدر کے ساتھ بیعت ہی کے نظام کو جاری رکھنے کا فیصلہ ہو تو پھر مجھے ذاتی طور پر دو مشورے درکار ہوں گے:

ایک یہ کہ آیا میں نظام العمل کی دفعہ ۲ (ا) کے مطابق اپنا جانشین نامزد کر دوں یا اسے مجلس مشاورت ہی کے لئے رہنے دوں؟

اس معاملے میں چونکہ آخری اور حتمی فیصلہ رفقاء کی آراء کو ''گننے'' اور ''تولنے'' کے بعد خود مجھ ہی کو کرنا ہے لہٰذا اس کا بھی امکان ہے کہ میرا ذہن اجتماع کے دوران ہی یکسو(۴) اور کسی ایک رائے پر جازم(۵) ہو جائے اور میں اس کا اعلان بھی کر دوں......اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے حتمی رائے قائم کرنے میں مزید وقت درکار ہو۔

اس پہلی بات کے ضمن میں ضمنی مشورہ یہ بھی درکار ہوگا کہ نامزدگی کی صورت میں اس کا اعلان اپنی زندگی ہی میں کر دوں یا اسے وصیت کی صورت میں لکھ کر رکھ دوں۔ (مؤخر الذکر صورت میں اس کا امکان رہے گا کہ میں اپنی ''وصیت'' پر نظر ثانی بھی کرتا رہوں!)

فقط والسلام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

۲۱ مارچ ۱۹۹۵ء

حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجیے

(۵) ان مسائل پر کھلی بحث وتمحیص کے بعد استصواب رائے[1] سے حسب ذیل نتائج سامنے آئے:

(i) اجتماع کے اس سیشن میں موجود ۳۱۰ رفقاء میں سے بہت بھاری اکثریت' یعنی ۲۸۴ رفقاء نے اوّل الذکر کے حق میں فیصلہ دیا۔ صرف ۱۹ رفقاء کی رائے یہ سامنے آئی کہ آئندہ تنظیم کو بیعت کی بجائے کسی دستوری نظم پر استوار کیا جانا چاہئے' جبکہ ۷ رفقاء نے کسی رائے تک نہ پہنچنے کے باعث سوال نامہ خالی واپس لوٹایا۔

(ii) اجتماع کے دوسرے سیشن میں شریک ۳۱۳ رفقاء میں سے بھی ایک عظیم اکثریت' یعنی ۲۸۴ رفقاء نے پہلے سوال کے جواب میں یہ رائے ظاہر کی کہ مجھے اپنا جانشین اپنی زندگی ہی میں نامزد کر دینا چاہئے۔ ۲۷ رفقاء نے اس کے خلاف رائے دی' جبکہ ۵ رفقاء نے کسی رائے تک پہنچنے سے عجز کا اظہار کیا۔ یہاں بھی گویا نوے فیصد سے زائد رفقاء ایک رائے پر متفق نظر آتے ہیں۔

(iii) تاہم اس مسئلے سے متعلق دوسرے سوال کے جواب میں رفقاء واضح طور پر دو حصوں میں بٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ۱۶۷ رفقاء کی رائے یہ تھی کہ اپنے جانشین کا اعلان مجھے اپنی زندگی ہی میں کر دینا چاہئے۔ اس کے مقابلے میں ۱۰۷ رفقاء نے یہ رائے ظاہر کی کہ جانشین کے نام کا اعلان کرنے کی بجائے اس کے بارے میں اپنے فیصلے کو وصیت کی شکل میں محفوظ کر دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ ۳۹ رفقاء اس معاملے میں کسی بھی رائے یا نتیجے تک پہنچنے سے قاصر رہے۔

(iv) اس سوال کے جواب میں کہ "آپ کی رائے میں جانشینی کے سب سے زیادہ اہل کون ہیں؟" رفقاء نے اپنے اپنے ذہن کے مطابق نام تجویز کئے۔ یہاں ہم ان چار رفقاء کے نام درج کر رہے ہیں جن کے حق میں سب سے زیادہ رفقاء نے

حاشیہ گزشتہ صفحہ (۱) الملک ۱۴: کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا (۲) صاحب خانہ جانتا ہے جو کچھ اس میں ہے (۳) رد کرنے کا حق (۴) مطمئن (۵) پختہ

حاشیہ صفحہ ھٰذا (۱) رائے لینا

رائے ظاہر کی ہے۔ ان چار رفقاء کے نام حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے یہ ہیں:

رحمت اللہ بٹر صاحب' ڈاکٹر عبدالخالق صاحب' ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور مختار حسین فاروقی صاحب۔

(۶) اجلاس مشاورت ۱۲۔۱۳ر اگست 1995ء میں مَیں نے اعلان کر دیا کہ (i) میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اپنا جانشین نامزد کروں گا۔ اور (ii) اسے ایک وصیت کی شکل میں لکھ کر لاہور میں موجود تنظیم اور انجمن دونوں کے سینئر ترین رفیق سید سراج الحق صاحب کے سپرد کر دوں گا۔ اور پھر اجلاس مشاورت ۲۹۔۳۰ر نومبر ۹۵ء میں مَیں نے شوریٰ کو بتا دیا کہ میں نے اپنے فیصلے پر عمل کر لیا ہے اور اپنے جانشین کو نامزد کر کے وصیت کی شکل میں تحریر سید سراج الحق صاحب کے پاس رکھوادی ہے۔

(۷) اب یہ ایک کھلا راز ہے کہ میں نے اس وصیت میں جسے نامزد کیا تھا وہ نہ میرے بیٹے ڈاکٹر عارف رشید تھے نہ حافظ عاکف سعید' بلکہ میرے خویش ڈاکٹر عبدالخالق تھے' اور یہ بھی نہ اس لئے تھا کہ وہ میرے داماد تھے' نہ ہی اس بنا پر کہ میرے نزدیک میرے قریبی رفقاء میں وہ ہر اعتبار سے سب سے بہتر تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میرے قریبی رفقاء میں مختلف حضرات تقویٰ و تدیّن یا ایثار و قربانی' یا محنت و مشقت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے۔ لیکن میری دیانت دارانہ رائے یہ تھی کہ میرے دینی فکر کے ساتھ ساتھ میرے عمرانی فکر اور سیاسی' معاشی اور سماجی امور میں میری آراء کو سب سے زیادہ گہرائی میں سمجھنے والے وہی ہیں! ۔۔۔ واللہ اعلم!! بہرحال میں نے عزیزم ڈاکٹر عبدالخالق کو اپنی وصیت۔ میں اپنا جانشین مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی زندگی کے دوران نائب امیر بھی نامزد کر دیا۔ اس لئے کہ اس عہدے کے لئے جو نام تجویز کئے گئے تھے ان میں سے ٹاپ کے چار میں ان کا نام بھی شامل تھا۔!

(۸) تاہم ایک خلش میرے دل میں باقی رہی کہ ۲ تا ۴ر اپریل ۹۵ء کے اجتماع ملتزم رفقاء میں ایک تو نامزدگی کے اعلان یا وصیت کے بارے میں رفقاء کی آراء میں نمایاں تقسیم تھی' اور دوسرے یہ کہ جانشین کے لئے رفقاء سے جو نام مانگے گئے تھے اس کے ضمن میں کوئی واضح طریق کار اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ تنظیم کے ملتزم رفقاء کا ایک مزید چھ روزہ تربیتی واستصوابی اجتماع منعقد کیا جائے ۔ میری اس رائے کو تنظیم کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ

۲۹ رمئی ۹۷ء میں منظور کر کے حسب ذیل فیصلے کئے: (ماخوذ از رجسٹر کارروائی)

☆ جانشین کو نامزد کرنے کا فیصلہ خود امیر محترم کو کرنا ہے۔

☆ نامزد جانشین کا اعلان کرنے یا وصیت کی صورت میں محفوظ کرنے کے بارے میں اب بھی ان کو یہ پسند ہے کہ اعلان نہ کیا جائے۔ تاہم ملتزم رفقاء کے اجتماع میں بعض رفقاء کی آراء سن کر وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں تمام ملتزم رفقاء کی رائے دوبارہ حاصل کی جائے۔

☆ قبل از یں اس سلسلہ میں ملتزم رفقاء سے جو رائے لی گئی تھی وہ اچانک تھی لہٰذا دوبارہ رائے حاصل کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

☆ اس کے باوجود فیصلہ ان کی آراء کی بنیاد پر نہیں ہوگا' بلکہ اس کے حوالے سے امیر محترم کو اپنی رائے کو استوار کرنے میں مدد ملے گی۔

اس کا طریق کار یہ ہوگا کہ:

☆ اولاً تین' چار رفقاء جو صاحب علم بھی ہوں اور انتظامی امور (Management) سے بھی واقف ہوں وہ یہ بیان کریں کہ جانشین کے لئے کیا ترجیحات ہونی چاہئیں اور ان میں کیا ترتیب ہوگی۔

☆ امیر محترم اس گفتگو کو مکمل کریں گے۔

☆ اس کے بعد تمام ملتزم رفقاء سے جانشین کے بارے میں رائے لی جائے گی۔

☆ ان آراء کے نتیجہ میں چوٹی کے پانچ رسات رفقاء (یا مزید اگر امیر محترم خود چاہیں) کو اس موضوع پر اظہارِ خیال کا موقع دیا جائے کہ اگر یہ ذمہ داری ان پر ڈال دی جائے تو ان کی ترجیحات کیا ہوں گی۔ (اس سلسلہ میں امیر محترم کچھ سوالات بنالیں گے جن کا جواب ان سے مطلوب ہوگا۔ رفقاء بھی سوالات کر سکیں گے۔)

☆ اس کے بعد ملتزم رفقاء سے دوبارہ آراء حاصل کی جائیں گی اور ان کے جائزہ کے بعد امیر محترم فیصلہ کریں گے۔

الحمدللہ کہ یہ چھ روزہ اجتماع پروگرام کے مطابق ۲۶/ اکتوبر تا یکم نومبر ۱۹۹۷ء منعقد ہوا‘ جس میں ۴۵۰ ملتزم رفقاء نے شرکت کی اور اس کے دوران اقامت دین کی جدوجہد کے عظیم مقصد کے لئے جمع ہونے والے لوگوں کی ’’اجتماعیت‘‘ کے جو حسین مناظر دیکھنے میں آئے ان سے میری طبیعت میں اس وقت بھی بہت انشراح وانبساط (۱) پیدا ہوا تھا اور اس کا کیف وسرور (۲) مجھے آج تک بھی یاد ہے۔ اور اس میں مجھے ایک کروڑ میں ایک کی نسبت ہی سے سہی لیکن اس احساس کا عکس محسوس ہوا تھا جس کے تحت نبی اکرم ﷺ نے جب اپنے مرضِ وفات کی شدت میں ذرا سی کمی پر اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر مسجد میں ہونے والی نماز باجماعت کا منظر دیکھا تو آپ ﷺ کے چہرے پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ظاہر ہوئی تھی!

اس کے افتتاحی اجلاس میں مَیں نے اپنے خطاب کے آغاز میں جو الفاظ کہے تھے وہ اس اجتماع کی روداد کے مرتّب (رفیق محترم نعیم اختر عدنان) کے مطابق یہ تھے (ماخوذ از ’ندائے خلافت‘ ۱۹ نومبر ۱۹۹۷ء)

’’تلاوت قرآن مجید کے بعد امیر قافلہ وداعی تحریک خلافت‘ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے اپنے افتتاحی خطاب کا آغاز سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت سے کیا۔ امیر محترم مدظلہ نے فرمایا کہ ’’تنظیم اسلامی کی ساڑھے بائیس سالہ تاریخ میں چھ روزہ اجتماع کے انعقاد کا یہ تیسرا موقع ہے۔ پہلا چھ روزہ تنظیمی اجتماع اگست ۱۹۷۷ء میں منعقد ہوا تھا جس میں دیگر امور کے علاوہ تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس میں انقلابی رنگ کی کمی کی تلافی اور اقامت دین کی فرضیت پر زوردار خطاب ہوا تھا۔ اسی اجتماع میں ’’بیعت‘‘ کی منصوص وماثور اور مسنون اساس کو اختیار کرنے کا حتمی فیصلہ کرلیا گیا۔ دوسرا چھ روزہ اجتماع ’’فرائض دینی کے جامع تصور‘‘ کے حوالے سے ۱۹۸۵ء میں منعقد ہوا تھا‘ جب کہ اب یہ تیسرا چھ روزہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے تو اس موقع پر تنظیم اسلامی کے داعی‘ مؤسس اور تاحیات امیر کو اپنے جانشین

(۱) اطمینان اور خوشی (۲) کیفیت اور فرحت

کی تعیین کا مشکل ترین مرحلہ درپیش ہے۔ اس حوالے سے ندائے خلافت کی ۸/اکتوبر کی اشاعت کے ذریعے تمام تفصیلات سے آپ حضرات آگاہ ہو چکے ہوں گے۔ میں اپنے گھٹنوں کے آپریشن سے پہلے جانشین کے تعین کے نازک اور اہم مرحلے کے ضمن میں ضروری مشاورت کا مرحلہ مکمل کرنا چاہتا ہوں''۔

چنانچہ اس شش روزہ اجتماع میں دروس قرآن' اور تنظیم کے لٹریچر میں سے اہم حصوں کے اجتماعی مطالعے پر مستزاد ایک تو ''تنظیم اسلامی کی کامیابیاں اور ناکامیاں'' کے موضوع پر رفقاء کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی جس کے ضمن میں پندرہ رفقاء نے اظہار خیال کیا۔ مزید برآں چونکہ یہ اجلاس اپریل ۱۹۹۵ء کے اجتماع ہی کے تسلسل کی حیثیت رکھتا تھا لہٰذا اس کی پوری کارروائی بھی پڑھ کر سنائی گئی اور اس سلسلے میں جو تقریر میں نے اپریل ۹۷ء میں اجلاس مجلس شوریٰ میں کی تھی اس کا آڈیو کیسٹ بھی سنوایا گیا۔

اصل قابل غور مسئلے یعنی جانشین کے تعین کے ضمن میں اولاً تنظیم کے بزرگ اور سینئر رفقاء نے ''جانشین کے مطلوبہ اوصاف'' کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ جن میں مولانا سید مظفر حسین ندوی (مرحوم)، شیخ جمیل الرحمٰن (مرحوم)، سید سراج الحق صاحب، جناب قمر سعید قریشی، چوہدری غلام محمد، [1] جناب الطاف حسین، میجر (ر) فتح محمد، سید نسیم الدین اور جناب اشرف وصی شامل تھے۔ ان کے علاوہ غلام محمد سومرو صاحب کو چونکہ اچانک واپس سکھر جانا پڑا تھا اس لئے ان کی تحریر ان کے چھوٹے بھائی احمد صادق سومرو نے پڑھ کر سنائی!

اس کے بعد استصواب رائے کے لئے ۳۰/اکتوبر کی صبح جملہ رفقاء کو دو دو پرچیاں دے دی گئیں۔ ایک پر یہ رائے مطلوب تھی کہ جانشین کے تقرر کا اعلان بھی کر دیا جائے یا اسے وصیت ہی کے طور پر رہنے دیا جائے۔ اور دوسری پرچی میں ہر رفیق کو اپنی ترجیح کے مطابق جانشین کے لئے تین تین نام تجویز کرنے تھے۔ یہ پرچیاں اجلاس ہی میں واپس وصول کر لی گئیں، جو سید سراج الحق صاحب کے حوالے کر دی گئیں کہ وہ ان کو پراسیس کر لیں۔ چنانچہ شام کے اجلاس میں ایک تو سید صاحب کے آراء کے جائزے کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ جانشین کے تقرر کے ساتھ اس کا اعلان عام بھی کر دیا جانا چاہئے۔ یہ رائے شرکاء اجتماع کی نوے فیصد کی آراء پر مبنی تھی۔ اور مجوزہ

---

(۱) اس عرصے کے دوران ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ غفر اللہ لہ!

جانشین کے نام کے سلسلے میں ترجیح اول، ترجیح دوم اور ترجیح سوم کے ناموں کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لینے اور پھر ان کو consolidate(۱) کرنے کے نتیجے میں چھ رفقاء کے نام ٹاپ پر آئے، جو حرف تہجی کی ترتیب کے مطابق حسب ذیل ہیں:

۱) ناظم شعبہ تربیت، جناب رحمت اللہ بٹر ۲) نائب امیر، ڈاکٹر عبدالخالق

۳) ناظم اعلیٰ، جناب عبدالرزاق ۴) امیر حلقہ بیرون پاکستان، ڈاکٹر عبدالسمیع

۵) ناظم نشر و اشاعت، حافظ عاکف سعید ۶) امیر حلقہ پنجاب جنوبی، جناب مختار حسین فاروقی

اس کے بعد پہلے سے اعلان شدہ پروگرام کے مطابق ان حضرات کے اظہارِ خیال کا مرحلہ آیا۔ چنانچہ اس کے لئے پہلے تو ان سب حضرات کو ''آڈیٹوریم بدر'' کر دیا گیا۔ پھر ان میں سے ایک ایک کو اندر بلا کر خطاب کی دعوت دی گئی — تاکہ ہر شخص دوسروں کے بیان سے لاعلم رہتے ہوئے اپنی خالص ذاتی رائے بیان کرے!

اس مرحلے کی تکمیل کے بعد اب جملہ رفقاء کو آخری اور حتمی طور پر صرف ایک ایک نام تجویز کرنے کے لئے رائے دہی کی پرچیاں دے دی گئیں کہ رات کے دوران اچھی طرح غور و فکر اور استخارہ کر کے نام تجویز کریں اور اگلی صبح (یعنی ۳۱ر اکتوبر کو) نماز فجر کے وقت انہیں معین مقامات پر پہنچا دیں! جو بحمد اللہ، بخیر و خوبی ہو گیا، اور رفقاء کی آراء موصول ہو گئیں!

اب ظاہر ہے کہ یہ ساری exercise کسی ''انتخاب'' کے سلسلے کی نہیں تھی بلکہ خود مجھے آخری اور حتمی فیصلے تک پہنچنے کے لئے ''مشورے'' کے لئے تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں مَیں نے اجتماع کے آخری اجلاس منعقدہ یکم نومبر ۱۹۹۷ء کو صبح گیارہ بجے اپنے اختتامی خطاب میں عرض کیا:

> ''اپریل ۱۹۹۷ء کے اجتماع سے پہلے تک ایک رفیق کے بارے میں میرا ذہن یکسو ہو گیا تھا اور اس کی میں نے باقاعدہ وصیت بھی لکھ دی تھی، مگر اپریل ۹۷ء میں بعض بزرگ رفقاء کی جانب سے ایک رائے میرے سامنے آئی جس کی بنا پر میں مزید غور و فکر کے لئے مجبور ہو گیا۔ چنانچہ اس رائے کے بعد میرے سامنے ایک اور نام بھی آیا اور پھر کئی دوسرے نام بھی ذہن میں آئے۔ اس اجتماع کے دوران بھی میں جانشین کے حوالے سے متردّد رہا ہوں اور اب تک متردّد ہوں۔ اب تک کسی نام پر میں یکسو

---

(۱) جوڑنا

نہیں ہو سکا۔ اس حوالے سے اس مشاورتی سلسلے کو ابھی اور وسعت دوں گا۔
جانشین کے بارے میں رفقاء کی آراء جناب سید سراج الحق کے حوالے کر دی ہیں جو انہیں ''پروسیس'' کر رہے ہیں۔ خود مجھے بھی اس حوالے سے مزید غور و فکر کی ضرورت ہے' جبکہ رمضان المبارک کے آخری ہفتے میں مجھے فیصلہ کرنا ہے۔
تاہم جانشین کی تقرری کے حوالے سے جو رفقاء مجھے کوئی خصوصی مشورہ دینا چاہیں وہ بذریعہ خط یہ مشورہ مجھے پہنچا سکتے ہیں''۔

واضح رہے کہ اپریل ۱۹۹۷ء تک میرے ذہن میں عزیزم عاکف سعید سلمہ' کا نام کبھی نہیں آیا تھا۔ اب سوچتا ہوں تو اس کا سب سے بڑا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آں عزیز گلے اور کان کی ایک تکلیف میں عرصے سے مبتلا ہیں جس سے بسا اوقات تقریر اور خطاب میں شدید رکاوٹ ہوتی ہے' اور کافی علاج معالجہ اور ایکسپرٹ آراء کے حصول کے باوجود کوئی صورت شفا کی نظر نہیں آئی۔ اسی طرح ۱۹۹۵ء کے مشاورتی اجتماع میں جب اچانک رفقاء سے جانشین کے لئے رائے دینے کو کہا گیا تو اس میں بھی ٹاپ [(۱)] کے چار لوگوں میں ان کا نام نہیں تھا۔ اس کی وجہ بھی بہت واضح تھی یعنی یہ کہ آں عزیز فیلڈ ورک [(۲)] میں کبھی آئے ہی نہیں تھے۔ اور ان کا سارا وقت تنظیم کے لٹریچر کی تدوین و اشاعت اور تین تین جرائد کی ادارت میں صرف ہوتا تھا اور یہ جملہ کام ''پس پردہ'' ہوتے تھے' لہٰذا رفقاءِ تنظیم کے سامنے وہ کبھی نمایاں ہو کر آئے ہی نہیں تھے۔

اپریل ۱۹۹۷ء کے اجتماع کے بعد میرے سامنے دو نہایت سینئر اور معمّر رفقاء کی جانب سے پورے شدّ و مدّ [(۳)] کے ساتھ عزیزم عاکف کے لئے رائے آئی۔ ان میں سے ایک صوبہ سرحد کے سینئر ترین رفیق اور پاکستان کے انتہائی شمالی علاقے دیر سے تعلق رکھنے والے برادرم محمد فہیم صاحب تھے۔ اور دوسرے پاکستان کے انتہائی جنوب یعنی کراچی سے تعلق رکھنے والے' تنظیم کے معمّر ترین رفیق اور میرے ''بزرگ'' شیخ جمیل الرحمٰن (مرحوم) تھے۔ برادرم قمر سعید قریشی صاحب جو انجمن کے مؤسسین میں بھی شامل ہیں۔ اور تنظیم کے بھی تاسیسی ارکان میں سے ہیں' ان کا کہنا ہے کہ ان دونوں حضرات سے بھی قبل انہوں نے آں عزیز کا نام تجویز کیا تھا۔ لیکن نہ معلوم کیوں یہ

---

(۱) TOP - سب سے اوپر (۲) عملی کام (۳) زور شور

مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا- بلکہ ان کے یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آیا! پھر ایک موقع پر شیخ جمیل الرحمٰن صاحب (مرحوم) اور جناب عبداللطیف عقیلی صاحب (جو کراچی کی انجمن اور تنظیم دونوں کے فعال رکن ہیں) میرے پاس آئے اور انہوں نے عزیزم عاکف کے لئے دلائل دینے شروع کئے تو میں نے موجود الوقت ماحول میں بیٹے کی نامزدگی سے اعتراضات کا جو طوفان اُٹھ سکتا تھا اس کے پیش نظر کہا: ''آپ جو کچھ فرمارہے ہیں وہ سب کچھ اپنی جگہ!- لیکن وہ میرا بیٹا ہے!!''- اس پر جناب عقیلی صاحب نے فرمایا: ''ڈاکٹر صاحب! بیٹا ہونا کوئی ڈس کوالیفکیشن (Disqualification) تو نہیں ہے!'' جس پر میں لاجواب ہو کر رہ گیا- لیکن اس سب کے باوجود میں مذبذب اور متردّد ہی رہا- چنانچہ ۹۷ء کے اجتماعِ ملتزم رفقاء کے بعد جو پہلا اجلاس مرکزی مجلس مشاورت کا ہوا اس موقع پر میں نے جملہ اراکین مشاورت سے علیحدگی میں مشورہ بھی طلب کیا اور ان کے مشوروں پر ردّ وقدح بھی کی اور جرح وتعدیل بھی!- ۹۷ء کے شش روزہ اجتماع کے دوران آنے والی آراء کو پراسیس(۱) کرنے اور پھر اس کے بعد کی گفتگوؤں کے نتیجے میں میرا ذہن تو عزیزم عاکف کی طرف منتقل ہو گیا تھا بلکہ ان کے اوصاف کے ضمن میں جو کچھ سینئر رفقاء کی جانب سے سننے میں آیا اس پر خود مجھے حیرت ہوئی کہ میرے ذہن میں ان کا نام اب تک کیوں نہیں آیا تھا، لیکن متذکرہ بالا اندیشے کے پیش نظر میری کیفیت وہی تھی جو سورۂ احزاب میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی بیان ہوئی ہے-!

بہر حال رمضان مبارک کے دوران مسلسل غور وفکر اور استخارہ کے جواب میں میرا ذہن الفاظ قرآنی: ''وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ''(۲) پر جم گیا- چنانچہ میں نے اجلاس مشاورت منعقدہ ۱۴-۱۵/اپریل ۱۹۹۸ء میں اعلان کر دیا کہ میرے بعد امیر تنظیم عزیزم عاکف سعید سلمہ ہوں گے- البتہ ابھی ان کی حیثیت ''زیر تربیت'' کی رہے گی- اور تنظیم کا موجودہ نظم علیٰ

---

(۱) اس کے ضمن میں مَیں نے مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے آراء کا تجزیہ کیا- مثلاً اولاً مجرد گنتی کی بنیاد پر، ثانیاً مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کے ارکان کی آراء کا علیحدہ طور پر جائزہ، اور ثالثاً صرف ان رفقاء کی آراء کا تجزیہ جنہیں میں صرف نام سے پہچانتا تھا- گویا میرے نزدیک زیادہ فعال تھے- وغیرہ وغیرہ!

(۲) الاحزاب ۳۷: اور آپؐ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ آپؐ اس سے ڈریں-

حالہ برقرار رہے گا!

الغرض! یہ ہے مختصر داستان اس طویل سلسلۂ مشاورت کی جس کے نتیجے میں امیر تنظیم اسلامی کی حیثیت سے میرے جانشین کے طور پر عزیزم عاکف سعید صاحب کا تقرر ہوا! اب حیرت ہوتی ہے کہ بعض وہ حضرات جو اس پورے پراسیس میں شریک اور دخیل رہے ہیں' مجھ پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ میرے ذہن میں پہلے دن ہی سے یہ فیصلہ موجود تھا' اور یہ سارا مشاورتی عمل ایک ڈھونگ تھا جسے وہ ''انتخاب'' قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ مشاورت کا یہ سلسلہ ان انتخابات سے ہرگز کوئی تعلق نہیں رکھتا جن میں ع ''بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!'' کی بنیاد پر فیصلے کئے جاتے ہیں' اور ستم بالائے ستم (۱) یہ کہ اس کے لئے 'شہادت' کے طور پر آں عزیز کی وہ 'درخواست' جو انہوں نے ۲۲ برس قبل ۱۵ نومبر ۱۹۸۱ء کو قرآن اکیڈمی کی فیلوشپ اسکیم میں شمولیت کے لئے دی تھی' اور اس کے جواب میں جو 'مراسلۂ قبولیت' میں نے بحیثیت صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور تحریر کیا تھا اسے پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ حاشا وکلاّ مجھے وہ خط و کتابت قطعاً یاد نہیں تھی' اور اگر وہ حضرات بھی ذرا غور کریں تو یہ بدیہی حقیقت ان کے سامنے آ جائے گی کہ میں نے جس قدر مصروف زندگی گزاری ہے اس کے پیش نظر اتنی پرانی باتیں کیسے یاد رہ سکتی ہیں — یہ تو اس پورے عمل کی تکمیل اور فیصلہ کے اعلان کے بھی بہت بعد حال ہی میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ناظم اعلیٰ برادرم قمر سعید قریشی نے مجھے عزیزم عاکف کی پرسنل فائل لا کر دکھائی جس میں یہ خطوط محفوظ تھے — تب میرے دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کے شکر کے چشمے ابل پڑے کہ میں نے جو الفاظ اپنے جوابی مراسلے کے آخر میں درج کئے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حرف بحرف پورے ہو گئے — وہ الفاظ یہ تھے:

> ''آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں میرا حقیقی معنی میں جانشین اور اس طرح دنیا اور آخرت دونوں میں میرے لئے ''قرۃ العین''(۲) بنادے۔ وما ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيزٍ۔ وَعَسٰى اَنْ لَّا اَكُوْنَ بِدُعَاءِ رَبِّى شَقِيًّا''(۳)

(تحریر: ۱۵/نومبر ۱۹۸۱ء) (شائع شدہ: ندائے خلافت بابت ۲۳/جولائی ۲۰۰۳ء)

---

(۱) ظلم پر ظلم (۲) آنکھوں کی ٹھنڈک (۳) ابراھیم ۲۰، فاطر ۱۷، مریم ۴۸: یہ کام اللہ تعالیٰ پر کوئی بھاری نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہیں رہوں گا۔

عزیزم عاکف سعید کی جانشینی کے فیصلہ کا خیر مقدم[1] تنظیم اسلامی کے رفقاء کے حلقے میں عمومی خوشدلی کے ساتھ ہوا۔ صرف اکّا دکّا رفقاء نے اسی عام تصور کے تحت جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے' شدت تاثر میں تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی — بہر حال میں اپنی جگہ پوری طرح مطمئن ہو کر ایک SENSE OF RELIEF[2] کی سی کیفیت کے ساتھ گھٹنوں کے بڑے اپریشن کے لئے امریکہ روانہ ہو گیا' جہاں تین ماہ کے لگ بھگ قیام رہا۔ اس عرصے کے دوران عزیزم عاکف نے ہی قائم مقام امیر کے فرائض سرانجام دیئے۔ اور واپسی پر جو حالات معلوم ہوئے ان سے اپنے فیصلہ پر بحمد اللہ مزید انشراح[3] ہوا۔ اس کے بعد بھی میرے اسفار کے دوران یہی عمل جاری رہا۔

لگ بھگ ڈھائی سال اس کیفیت میں گزرنے کے بعد امریکہ میں گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کا حادثہ پیش آیا جس نے صرف امریکہ ہی نہیں پوری دنیا کے حالات کے رُخ کو ایک دم تبدیل کر دیا۔ میں اس حادثے سے چند ہی روز قبل ۶ ستمبر کو امریکہ کے سفر سے واپس آیا تھا۔ اور ۱۱ ستمبر کو بھارت کے سفر پر روانہ ہونا تھا' لیکن کچھ تھکان اور کسل کے باعث میں نے ریزرویشن ۱۳ ستمبر کی کرالی۔ لیکن ۱۱ ستمبر کے حادثے کی بنا پر حالات کے بالکل غیر یقینی ہو جانے کے باعث سفر کا ارادہ ترک کر دیا گیا۔

اس حادثے پر امریکہ بہادر کی جانب سے ''تعاون'' کا جو ''حکم'' آیا اور اس پر صدر جنرل پرویز مشرف صاحب نے سوسائٹی کے مختلف طبقات کے نمائندگان کے ساتھ بظاہر ''مشاورتی'' اور درحقیقت اپنے پہلے سے طے شدہ فیصلے پر رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے جو اجتماعات منعقد کئے ان میں سے ایک میں نہ معلوم کیسے مجھے بھی شامل کر لیا گیا تو وہاں' بحمد اللہ' میں نے پوری جرأت کے ساتھ اور انتہائی زور دے کر کہا کہ: ''اگر اس موقع پر آپ نے طالبان کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا تو یہ عدل و انصاف کے مسلّمہ اصولوں سے بھی بغاوت ہوگی' اس لئے کہ تا حال

---

(۱) استقبال (۲) سکون کا احساس (۳) اطمینان

طالبان یا اسامہ کا کوئی جرم ثابت نہیں ہوا ہے۔ پھر یہ غیرت وحمیت سے بھی بغاوت ہوگی' اس لئے کہ ایک پڑوسی مسلم حکومت جسے ہم نے sponsor[1] بھی کیا' تسلیم بھی کیا' اور امداد بھی دی' اس کی جانب سے امریکہ کی ایک ہی دھمکی پر طوطا چشمی[2] کے انداز میں آنکھیں پھیر لینا غیرت و حمیت کے خلاف ہے۔ ثالثاً یہ اللہ کے دین سے بھی غداری ہوگی' اس لئے کہ ایک مسلمان حکومت کے خلاف ایک کافر حکومت کا ساتھ دینا شریعت کی رو سے حرامِ مطلق ہے — دوسری جانب جو مصلحتیں آپ دیکھ رہے ہیں اور پورے زور استدلال کے ساتھ پیش کر رہے ہیں وہ اگرچہ فی الوقت تو حقیقی اور واقعی نظر آتی ہیں لیکن عملاً بالکل عارضی ہیں — اس لئے کہ جلد یا بدیر آپ کا نمبر بھی آ کر رہے گا' اس لئے کہ یہ سارا معاملہ امریکہ کا نہیں بلکہ اسرائیل کے منصوبے کا حصہ ہے!'' البتہ جب کچھ ہی عرصہ کے بعد افغانستان پر حملہ ہو گیا — اور B-52 بمبار طیاروں کے علاوہ لیزر گائیڈڈ میزائلوں اور ڈیزی کٹر بموں کی بارش کے باعث طالبان کی حکومت ختم ہوگئی تو اس پر صدمے کے باعث مجھ پر ڈپریشن طاری ہوگئی — جو مسلسل بڑھتی چلی گئی — چنانچہ رمضان مبارک میں میرا دورۂ ترجمہ قرآن بھی پھیکا پھیکا سا رہا — اور اس کے بعد تو ڈپریشن میں زیادہ ہی شدت پیدا ہوگئی۔ پھر جب کچھ ادویات کے استعمال سے اس میں کمی آئی تو ہائی بلڈ پریشر اور ذیابیطس کے مستقل امراض پر مستزاد یکے بعد دیگرے عجیب وغریب عوارض کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مثلاً شدید کھانسی جو دوروں (Bouts) کی شکل میں آتی تھی لیکن ہر دورے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی (جسے طبی اصطلاح میں Syncopy کہتے ہیں!)۔ چنانچہ ایک بار میں اس بے ہوشی کے باعث غسل خانے میں گر بھی گیا — وہ تو خیریت یہ رہی کہ ابھی میں نے غسل خانے کا دروازہ bolt نہیں کیا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی ہوش آیا اور میں نے آواز دی تو عزیزم آصف حمید نے آ کر مجھے اٹھایا۔ (اس لئے کہ گھٹنوں کے اپریشن کے باعث میں فرش پر بیٹھ یا لیٹ بھی نہیں سکتا اور اگر کسی طرح بیٹھ یا لیٹ جاؤں تو پھر اٹھ نہیں سکتا!) — اس کھانسی کے لئے حتی الامکان پوری تحقیق و تفتیش سے بھی کوئی سبب دریافت نہیں ہو سکا — پھر ذرا اس میں افاقہ ہوا تو میرا دل' جس نے آج تک کبھی اپنے وجود کا احساس بھی نہیں دلایا تھا' اچانک ''پھڑ پھڑانے'' لگا جسے میڈیکل اصطلاح

---

(۱) سرپرستی کرنا (۲) طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لینا

میں FIBRILLATION کہتے ہیں۔اس سے نجات ہوئی (اگر چہ اس کے لئے ادویات میں اب بھی استعمال کر رہا ہوں اور معالج قلب برادرم ڈاکٹر زبیر صاحب کا حکم ہے کہ یہ اب تاحیات جاری رہیں گی!) تو ہلکے بخار کا عارضہ ہو گیا-اور اس کے لئے ہر ممکن INVESTIGATION (۱) کے باوجود کوئی سبب دریافت نہیں کیا جا سکا۔اور ان سب ''مصائب'' پر ''مستزاد'' مصیبت ''عظمیٰ'' یہ کہ میری یادداشت بہت کمزور ہو گئی!-ان حالات میں مجھے مجبوراً فوری طور پر ایک فیصلہ کرنا پڑا جو میرے سابقہ فیصلے کے بالکل برعکس تھا!

اس کا پس منظر یہ ہے کہ میں نے تنظیم کی امارت سنبھالنے کے وقت ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں تاحیات اس کی امارت سے سبکدوشی اختیار نہیں کروں گا--اس لئے کہ میرے علم میں تھا کہ جماعت اسلامی کے داعی اور مؤسس نے جب اپنی زندگی میں جماعت کی امارت سے علیحدگی اختیار کر لی تو اس سے کیا کیا مسائل اور قباحتیں (۲) پیدا ہوئیں (ان کی تفصیل کی ظاہر ہے کہ یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے!) چنانچہ میں قریبی رفقاء سے کہتا تھا کہ اگر میرا پورا جسم مفلوج ہو جائے (جیسا کہ ایک مشہور طبیعیاتی سائنس دان کا ہے--یا حماس کے قائد شیخ یٰسین مدظلہ کا ہے!) (۳) لیکن دماغ کام کرتا رہے تب بھی میں بستر پر لیٹے ہوئے بھی امارت کی ذمہ داری نبھاتا رہوں گا۔لیکن یہاں معاملہ برعکس ہوا--یعنی ایک جانب 'ڈپریشن' اور دوسری جانب یادداشت کا ضعف' گویا دونوں عوارض کا تعلق ذہن ہی سے تھا-لہٰذا میں نے اپنے سابقہ فیصلہ کے برعکس ستمبر ۲۰۰۲ء میں منعقد ہونے والی شوریٰ میں اپنا استعفاء پیش کر دیا اور سب سے پہلے خود عزیزم حافظ عاکف سعید سلمہٗ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔اور پھر تنظیم کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کے پچاس کے لگ بھگ ارکان نے بھی بیعت کر لی (سوائے دو حضرات کے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے!)-اور اس طرح تنظیم کی قیادت نہایت ہموار طریقے پر اگلی نسل کو منتقل ہو گئی۔

تنظیم کی امارت سے فوری سبکدوشی (۴) کے بعض دوسرے وقتی اسباب بھی تھے جن کے ذکر کی چنداں (۵) ضرورت نہیں ہے۔بہر حال اب مجھے اس معاملے کے من جانب اللہ ہونے اور اس میں مضمر مصلحتوں کا احساس وادراک (۶) ہو رہا ہے- کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے تنظیم کی آئندہ

---

(۱) تحقیق (۲) خرابیاں (۳) جو اس دوران میں شہید ہو گئے 'غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَاَدخِلہ فی جَنَّۃِ الفردوس' آمین! (۴) چھوڑ دینا (۵) اس قدر (۶) فہم

قیادت کو کام کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ جس سے اطمینان حاصل ہو رہا ہے کہ ان شاء اللہ تنظیم اسی نہج [1] پر کام کرتی رہے گی۔ اور جس طرح جانشین کے فیصلے کے بعد میں پورے اطمینان کے ساتھ بڑے آپریشن کے لئے امریکہ روانہ ہوا تھا' ان شاء اللہ اسی طرح کے اطمینان کے ساتھ اپنی عمر بھر کی کمائی کو اپنی نگاہوں کے سامنے پھلتے پھولتے دیکھ کر عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہو سکوں گا! اللّٰھم آمین!

اور اب ایک آخری اور مختصر ترین معاملہ — یعنی ٦٧۔ اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور پر واقع ایک قطعۂ زمین کے ضمن میں ایک صاحب کے جھوٹے الزامات اور غلط بیانیوں کا مسئلہ۔

یہ قطعہ زمین جس کا رقبہ کاغذی طور پر تو دو کنال تھا' لیکن اس میں سے دس مرلہ پر ایک قبضہ مخالفانہ تھا جس سے واگزاری [2] لمبی چوڑی مقدمہ بازی کے بغیر ناممکن تھی' لہٰذا عملاً یہ ڈیڑھ کنال پر مشتمل تھا' اس کے مالک حاجی عبدالواحدؒ تھے۔ لیکن انہوں نے اسے ذاتی طور پر مجھے ''ہبہ'' کر دیا تھا جس کے ہبہ نامہ کی رجسٹری ۴ر فروری ۱۹۷۸ء کو ہوئی تھی۔

یہ حاجی عبدالواحدؒ اپنے زمانے کے دینی حلقوں کی معروف اور جانی پہچانی شخصیت تھے۔ انہوں نے ۱۹۳۲ء میں ایم اے انگلش اچھے نمبروں سے پاس کیا تھا' لیکن دوران تعلیم یہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے شاگرد رشید خواجہ عبدالحی فاروقیؒ کے درس قرآن میں شریک ہوا کرتے تھے۔ جس سے ان کے اندر ایک انقلابی جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن ؏ ''کس طرف جاؤں' کدھر دیکھوں' کسے آواز دوں!'' کے مصداق کوئی طریق کار اور لائحہ عمل سامنے نہیں آ رہا تھا۔ حاجی صاحب محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئے اور بلوچستان میں فورٹ سنڈیمن۔ اور پھر کوئٹہ میں اعلیٰ درجہ کے ہائی اسکولوں میں ہیڈ ماسٹر کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اسی دوران ایک سال حج کے لئے گئے' اور چونکہ مکہ مکرمہ میں ان کی ملاقات مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے ہو گئی تو پھر حج کے بعد وہیں رک گئے اور ایک سال مولانا سندھی کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے بعد اگلے سال دوبارہ حج کر کے واپس آئے۔ اسی

---

(۱) طریق (۲) چھڑانا

طرح ایک سال ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مقیم رہے‘ اور وہاں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے عربی پڑھتے رہے اور جواباً انہیں انگریزی پڑھاتے رہے۔ جماعتِ اسلامی کو قریب سے دیکھا لیکن دل نہ ٹھکا‘ البتہ تبلیغی جماعت میں دلچسپی ہوئی اور مولانا محمد الیاسؒ کے قریبی مصاحبین میں شامل رہے‘ — اور اسی دوران عین اس وقت جب انسپکٹر آف سکولز کے عہدے پر ترقی ہونے والی تھی‘ دین کی خدمت کے لئے ''فارغ'' ہونے کے لئے ملازمت سے استعفاء دے کر لاہور آ گئے! کچھ عرصہ بعد تبلیغی جماعت سے بھی بدظن [1] ہو گئے — اور لاہور میں مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حلقے سے وابستہ ہو گئے۔ لاہور میں ریلوے سٹیشن کے قریب آسٹریلین مسجد میں واقع تبلیغی مرکز کے تحت ''درس قرآن'' کے عنوان سے قرآن حکیم کی جو مختصر اور آسان تفسیر تین جلدوں میں قرآنی آیات کو دروس کی شکل میں مرتب کر کے مختصر تشریح کے ساتھ شائع ہو کر بہت مقبول ہوئی تھی اس کے مرتبین میں ایک نام حاجی صاحب مرحوم کا بھی تھا۔

لاہور میں مَیں نے ۱۹۶۶ء میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا تو اس کی کوئی بھنک ان کے کان میں بھی پڑ گئی — چنانچہ دروس میں بھی شرکت کرتے رہے — اور خاص طور پر جمعہ کے روز گڑھی شاہو سے چل کر چوبرجی آتے تھے‘ وہاں سے شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشیؒ کو ساتھ لیتے تھے اور پھر جامع مسجد خضراء سمن آباد آ کر میرا خطابِ جمعہ سنتے تھے! — یہ سلسلہ ابھی کچھ زیادہ لمبا نہیں ہوا تھا کہ ایک جمعہ کو یہ دونوں حضرات مسجد کے دروازے پر میرا انتظار کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور جب میں وہاں سے گزرنے لگا اور علیک سلیک ہوئی تو حاجی صاحبؒ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ کھینچا اور اس پر اپنا دایاں ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''میں آپ کے ہاتھ پر دین کی سربلندی کی جدوجہد کے لئے بیعت کرتا ہوں!'' جس پر میں ہکا بکا [2] رہ گیا‘ اس لئے کہ اس وقت غالباً ابھی انجمن کی تاسیس بھی تجویز ہی کے مرحلے میں تھی — اور تنظیم کے قیام اور خصوصاً اس کے لئے بیعت کی اساس کو اختیار کرنے کا کوئی ارادہ میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا!

بہرحال یہ تھی وہ شخصیت جس نے متذکرہ بالا قطعہ زمین مجھے ہبہ کیا — اور اگرچہ اس ہبہ کے وقت تک نہ صرف انجمن خدام القرآن بلکہ قرآن اکیڈمی کا قیام بھی عمل میں آ چکا تھا اور تنظیم بھی نہ

---

(۱) بدگمان (۲) حیران

صرف قائم ہو چکی تھی بلکہ اس کے لئے بیعت کی اساس اختیار کرنے کا فیصلہ بھی ہو چکا تھا' لیکن انہوں نے قطعۂ زمین نہ انجمن کو دیا نہ تنظیم کو' بلکہ ذاتی طور پر مجھے دیا۔ (اس کا ایک خانگی نوعیت کا پس منظر بھی تھا جس کے ذکر کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے!) — البتہ مجھ سے زبانی طور پر دو وعدے لے لئے: ایک یہ کہ آپ اسے فروخت نہیں کریں گے! (اس لئے کہ اُس وقت اکیڈمی کی تعمیر کا سلسلہ چل رہا تھا اور انجمن کو فنڈز کی شدید ضرورت تھی' لہٰذا انہوں نے خیال کیا کہ کہیں اس قطعۂ زمین کو فروخت کر کے پیسہ انجمن کی تعمیرات میں نہ لگا دیا جائے!) اور دوسرے یہ کہ آپ اسے دینی مقصد ہی کے لئے استعمال کریں گے! — ان دونوں وعدوں پر بحمد اللہ میں آج پچیس برس گزرنے کے باوجود پوری طرح قائم ہوں۔ چنانچہ اس پر جو عمارت تعمیر ہوئی وہ آج تک ایک سو روپے ماہانہ کے ''علامتی'' کرائے پر تنظیمِ اسلامی کے مرکزی دفتر کے طور پر کام کر رہی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس کی تعمیر میں دو تہائی کے لگ بھگ رقم میرے چھوٹے بھائی اقتدار احمد مرحوم نے خرچ کی تھی۔ اور دیگر جن لوگوں نے اس میں اعانت [1] کی ان سب سے بھی میں نے اعلانیہ کہہ دیا تھا کہ اس کا تعلق نہ انجمن سے ہے نہ تنظیم سے' آپ جو کچھ دے رہے ہیں وہ گویا ذاتی طور پر مجھے دے رہے ہیں!

لیکن جب میری عمر ساٹھ کے لگ بھگ ہوئی اور میں نے اس دنیا سے اپنا بوریا بستر گول کرنے کے عمل کا آغاز کیا — تو مجھے اس قطعۂ زمین اور اس پر بنی ہوئی عمارت کے بارے میں بھی خیال آیا کہ میری وفات کے بعد یہ میری وراثت کے طور پر میرے وارثوں میں تقسیم نہ ہو جائے' تو میں نے اس کا کوئی بندوبست کرنے کے بارے میں مشورے شروع کئے۔ بعض وکلاء نے مشورہ دیا کہ اسے ''وقف علی الاولاد'' کر دیجئے' جس کے نتیجے میں آپ کی اولاد اس سے فائدہ تو اٹھا سکے گی لیکن بیچ نہیں سکے گی۔ — لیکن میں نے بحمد اللہ اسے ''اقامت دین ٹرسٹ'' کی شکل دے دی جس کی منتظمہ میں خود چیئرمین کی حیثیت اختیار کر لی اور جملہ بیٹوں اور دامادوں کو ارکان کے طور پر نامزد کر دیا۔ اس وقف کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں:

"To propagate & implement the teachings of Islam as contained in the Holy Quran and the

---

(1) مدد

Sunnah of the Holy Prophet (SWAS)"

بہر حال اب یہ ایک ''وقف'' ہے کسی کی ملکیت نہیں- اور الحمدللہ کہ نہ آج تک میں نے اس سے کوئی استفادہ کیا ہے نہ میری اولاد نے [۱] ——باقی رہا یہ الزام کہ اسے تنظیم اسلامی کے ASSETS [۲] کے لئے قائم شدہ ''دین حق ٹرسٹ'' میں کیوں شامل نہیں کیا گیا' تو اس لاعلمی یا ارادی اغماض پر تو سر پیٹ لینے کے سوا اور کچھ نہیں کیا جا سکتا' اس لئے کہ اس وقت ''دین حق ٹرسٹ'' کا وجود ہی نہیں تھا- وہ تو اس کے کئی سال بعد وجود میں آیا ہے-! لیکن کیا کیا جائے؟ انسان کی سرشت میں یہ کمزوری موجود ہے کہ حدیث نبویؐ ''حُبّكَ الشَّيْءِ يُعْمِيكَ ويُصِمّ'' یعنی تمہارا کسی چیز سے محبت کرنا تمہیں اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے- کے مصداق کسی شخص کی دشمنی بھی اچھے بھلے لوگوں کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے-! فقط والسلام مع الاکرام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

۳ دسمبر ۲۰۰۳ء

---

(۱) سوائے اس کے کہ اقامت دین ٹرسٹ کے قیام کے ساتھ ہی یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ عزیزم ڈاکٹر عبدالخالق ان عمارات کی دیکھ بھال کے لیے اس میں واقع ایک فلیٹ میں مقیم رہیں گے- چنانچہ تا حال وہ اس میں اقامت گزین ہیں-

(۲) اثاثے

پس نوشت[1]

(فروری ۲۰۰۱ء)

آج تقریباً پونے سات سال بعد ''حسابِ کم وبیش'' کو Update[2] کرنے کے لئے اس کتابچے پر نظر ثانی کا موقع ملا تو بعض مختصر اضافے تو اس کے متن اور حواشی میں مختلف مقامات پر کر دیئے گئے ہیں۔ اس پر مستزاد حسب ذیل امور قابل ذکر ہیں:

(۱) اس عرصے کے دوران اعزہ واقارب میں مجھ سے قریب ترین اور سالہا سال تک میرے اہم ترین معاون اور دست راست[3] بنے رہنے والے بھائی اقتدار احمد مرحوم ۶ رجون ۱۹۹۵ء کو کئی ماہ کی پیچیدہ علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون — اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی رحمتک وحاسبہ حسابا یسیرا — آمین یاربّ العالمین!

آنعزیز واقعتاً میرے لئے ﴿وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ﴾[4] (طٰہٰ:۲۹) کی حیثیت رکھتے تھے اور انہوں نے جس طرح ہر معاملے میں میرا ساتھ دیا اور میرے ہر قدم کی پیروی کی اس کے لئے میں ان کا حد درجہ ممنونِ احسان ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں یقیناً اس راہِ حق کی رفاقت[5] کا بھرپور اجر و ثواب دے گا۔ الحمد للہ کہ ان کے جدا ہونے کے بعد بھی میرے اور تنظیم اسلامی کے پاس ان کی یادگار کے طور پر ان کے تینوں بیٹے ہیں جو اپنی والدہ اور اپنی بیویوں سمیت تنظیم میں شامل ہیں۔ اور دوسرے ان کا جاری کردہ ہفت روزہ ''ندا'' ہے جو اب ''ندائے خلافت'' کے نام سے شائع ہو رہا ہے!

(۲) دونوں چھوٹے بھائی عزیزان وقار احمد و ڈاکٹر ابصار احمد بحمد اللہ اخوت کے ساتھ ساتھ رفاقت کا حق بھی ادا کر رہے ہیں۔ اور ان کے اہل وعیال بھی اکثر و بیشتر تنظیم اسلامی میں شامل ہیں۔

---

(۱) تحریر کے بعد (۲) تازہ ترین بناتا (۳) حامی۔ مددگار (۴) وزیر میرے خاندان سے ہیں (۵) ساتھ دینا

(۴) بڑے بھائی اظہار احمد صاحب البتہ تاحال اس قافلے میں شامل نہیں ہوئے۔[1] ویسے ان کے اور ان کے اولاد و اَحفاد (جو اَب بحمد اللہ و ماشاء اللہ ایک قبیلے کی شکل میں ہیں!) کے ساتھ مجلسی تعلقات پوری طرح بحال ہو چکے ہیں - اور کسی نوع کی تلخی یا شکررنجی[2] اب باقی نہیں ہے۔ تاہم میری دلی خواہش ہے کہ وہ بھی اپنے اہل و عیال سمیت تنظیم اسلامی میں شامل ہو جائیں - ادھر کچھ عرصے سے ان کی صحت خراب چل رہی ہے تاہم میں آنحضور ﷺ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے جو انہوں نے اپنے مشفق و معاون و محافظ چچا ابو طالب کے ضمن میں اختیار فرمائی تھی، اب بھی انہیں مسلسل دعوت دے رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ دعا بھی جاری ہے۔ چنانچہ جب بھی حج یا عمرے کے لئے جانا ہوتا ہے تو وہاں طواف اور سعی میں چوتھے شوط میں اپنے بھائیوں کے لئے دعاؤں کے لئے مخصوص رکھتا ہوں اور ان میں Lion's Share بھائی جان اور ان کی اولاد کے لئے ہی ہوتا ہے۔ دیکھئے ان کی قبولیت کا ظہور کب ہو! بہر حال ہمارا ایمان ہے کہ۔

اَغِیبُ وَذُو اللَّطَائِفِ لَا یَغِیبُ ☆ وَأَرْجُوهُ رِجَاءً لَا یَخِیبُ

(میں غائب ہوتا ہوں جبکہ مہربانیوں والا غائب نہیں ہوتا۔ میں اس سے ایسی امید رکھتا ہوں جو کبھی ناکام نہیں ہوتی)

---

(۴) جن دو جائیدادوں کا ذکر صفحہ ۶۱ پر نمبر ۱۷ کے ذیل میں درج ہے، ان میں سے گڑھی شاہو کی عمارت ایک ٹرسٹ کے نام منتقل ہو چکی ہے جس کا نام ''اقامت دین ٹرسٹ'' ہے۔ اور چونکہ اس کا پلاٹ حاجی عبدالواحد صاحب نے ذاتی طور پر مجھے ہبہ کیا تھا اس لئے اس ٹرسٹ کے ٹرسٹیوں میں مَیں نے اپنے چاروں بیٹوں اور پانچوں دامادوں کو شامل کر دیا ہے۔ کراچی میں داؤد منزل والا فلیٹ انجمن خدام القرآن سندھ کراچی کو منتقل کیا جا چکا ہے۔ گویا میں ان دونوں امانتوں کے بوجھ سے فارغ ہو چکا ہوں۔

(۵) اس عرصے کے درمیانی حصے میں مَیں گھٹنوں کی تکلیف سے دوچار رہا۔ اس کا آغاز تو ۱۹۹۱ء میں امریکہ میں چند نہایت عزیز اور معتمد علیہ ساتھیوں کے تکلیف دہ طرزِ عمل کے نتیجے میں

---

(۱) اظہار احمد صاحب بعد ازاں اپنے تین بیٹوں سمیت قافلۂ تنظیم اسلامی میں شامل ہو گئے تھے۔

(۲) رنجش

ہوا تھا۔ (اس حوالے سے میں اردو زبان کے محاورے ''گھٹنوں میں پانی پڑ جانا'' کا بہت قائل ہو گیا!)۔ تاہم ۹۴ء تا ۹۸ء اس کی شدت میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ تین بار تو ان کے لئے صفائی کا چھوٹا آپریشن ہوا (دو بار لاہور میں اور ایک بار امریکہ میں)۔ اس آپریشن کو ''Orthroscopic Debriment'' کہا جاتا ہے۔ لیکن ان سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو بالآخر مارچ ۹۸ء میں دونوں گھٹنوں کا بڑا آپریشن ''Total Knee Replacement'' کرانا پڑا۔ میں اسے ہر حال میں پاکستان ہی میں کرانا چاہتا تھا اور میرے بڑے بیٹے کے ہم جماعت اور نہایت ماہر ''Orthopaedic Surgeon'' ڈاکٹر عامر عزیز صاحب اس کے لئے بسر وچشم [1] حاضر تھے۔ لیکن شمالی امریکہ کے رفقاءِ تنظیم اسلامی کے اصرار پر مجھے یہ آپریشن امریکہ ہی میں (ڈیٹرائٹ میں واقعہ ہنری فورڈ ہاسپٹل میں) کرانا پڑا۔ اس ضمن میں مجھے اس وقت سپر ڈالنی [2] پڑی جب ۱۹۹۷ء میں تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے سالانہ کنونشن بمقام ہیوسٹن (ٹکساس) میں بعض رفقاءِ تنظیم رو پڑے کہ ''کیا آپ ہمیں اپنے بیٹے نہیں سمجھتے!''۔ اس آپریشن کا پورا خرچ مع کرایہ آمد و رفت تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے رفقاء نے برداشت کیا۔ اور میں نے اس میں تھوڑا سا حصہ اپنے' اپنی اہلیہ' اور عزیزان عاکف سعید و آصف حمید کے امریکہ آمد و رفت کے ہوائی جہاز کے کرائے کی شکل میں ڈالنا چاہا (یہ بعد میں عرض کروں گا کہ رقم کہاں سے آئی تھی) تو رفقاء نے اسے بھی منظور نہ کیا۔ اور اس کی ادائیگی بھی با صرار کر دی۔

اس آپریشن کے ضمن میں اخراجات پر مستزاد' میری جو دیکھ بھال اور خدمت برادران ڈاکٹر سراج الحق' ڈاکٹر عثمان ماسٹر اور چوہدری اعجاز احمد کے علاوہ' جن کو میں نے اجتماعی طور پر اپنے سرپرست (Guardians) کا خطاب دے دیا تھا' ڈاکٹر محمد جمیل خان اور ڈاکٹر رشید لودھی صاحبان نے کی۔ اس کے ضمن میں ڈیٹرائٹ سے واپسی کے وقت ایئرپورٹ پر میں صرف یہ الفاظ کہہ سکا تھا کہ ''آپ لوگوں نے مجھے خرید لیا ہے''۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی امریکہ جانا ہوا ڈیٹرائٹ میں کوئی خاص پروگرام ہو یا نہ ہو میں ایک چکر وہاں کا ضرور لگاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو کماحقہ اجر و ثواب عطا فرمائے' آمین ثم آمین!

---

(۱) بخوشی (۲) ہار ماننا

(۹) جس پرائیویٹ فنڈ کا ذکر کتاب میں صفحہ ۶۱ پر نمبر ۱۹ کے ذیل میں ہوا ہے اس میں میرے پاس اوائل ۹۸ء میں جو رقم باقی تھی اس کو میں نے اپنے آپریشن کے ضمن میں ہوائی جہاز کے کرایوں پر صرف کر دیا تھا' جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور حسن اتفاق سے اسی پر یہ فنڈ زیرو بھی ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے لاہور جاتے ہوئے جن جن حضرات کے نام اس فنڈ کے قرض واجب الوصول تھے ان کا حساب عزیزم ڈاکٹر عارف رشید کو دے دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ اب جو رقم بھی واپس ملے اسے اقامت دین ٹرسٹ میں شامل کر دیا جائے۔

مزید برآں میرے پاس اس کے لگ بھگ پچیس سالہ حساب کی جو کاپی تھی جس میں ان کے نام بھی درج تھے جنہیں اس فنڈ سے قرض دیا گیا۔اور ان کے بھی جن کو بطور امداد و اعانت رقوم دی گئیں' اسے اور اس کے ساتھ ساتھ اس فائل کو بھی جس میں ان حضرات کی رسیدیں جمع تھیں' میں ساتھ ہی امریکہ لے گیا تھا جہاں میں نے اس پورے ریکارڈ کو تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے دفتر واقع شکاگو میں برادرم عطاء الرحمٰن صاحب کی موجودگی میں اور ان کی مدد سے Shredder کے ذریعے تلف [1] کر دیا تھا۔البتہ جب میری واپسی کے وقت رفقاء امریکہ نے میری خرچ کردہ رقم مجھے باصرار لوٹا دی تو وہ فنڈ بھی دوبارہ شروع ہو گیا اور اب بھی موجود ہے۔ جس کے ضمن میں میری حیثیت متولی کی ہے۔اور میرے بعد اس کی متولیہ میری اہلیہ ہوں گی۔اور ان کے بعد اگر اس میں کچھ رقم باقی رہ گئی تو وہ اقامت دین ٹرسٹ کے حوالے ہو جائے گی۔

(۷) آج کل ''حقیقت دین'' کے عنوان سے جو ٹی وی پروگرام خالص معجزانہ طور پر نہ صرف پی ٹی وی' بلکہ پی ٹی وی ورلڈ پر بھی چل رہا ہے۔اس کے ضمن میں مَیں نے ابتداء میں تو معاوضے کے کنٹریکٹ پر دستخط کر دیئے تھے لیکن بعد میں جب معلوم ہوا کہ یہ پروگرام بلا معاوضہ بھی ہو سکتا ہے تو میں نے نہ صرف یہ کہ یہ تحریر دے دی کہ مجھے کوئی معاوضہ درکار نہیں۔بلکہ ایک چیک کی رقم جو وصول ہو چکی تھی وہ بھی واپس کر دی!۔اب یہ صرف اللہ ہی کے علم میں ہے کہ ''طاغوت'' اس آوازۂ حق کو کب تک برداشت کر سکے گا! البتہ اپنی حد تک' الحمد للہ کہ اس معاملے میں بھی ان الفاظ قرآنی پر عمل کی توفیق مل گئی کہ ﴿وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ جو اس کتابچے کی اوّلین اشاعت کی بنیاد بنے تھے۔

---

(۱) ضائع کرنا

ان سطور کی تحریر کے وقت راقم الحروف کی عمر شمسی حساب سے اڑسٹھ سال دس ماہ اور قمری حساب سے اکہتر برس کے لگ بھگ ہو چکی ہے۔ اور اگرچہ زندگی اور موت کے انسانی ارادہ و اختیار سے باہر ہونے کے اعتبار سے صحیح یہی ہے کہ ''رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے' نے ہاتھ باگ پر ہے نے پا ہے رکاب میں!''(۱) لیکن بحمد اللہ تا حال ہاتھ پاؤں بھی چل رہے ہیں اور قلب و ذہن بھی پوری وفاداری سے ساتھ دے رہے ہیں — اور ''آخر دعوانا'' کے درجہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا یہی ہے کہ جب تک دنیا میں رکھے اپنی کتاب حکیم اور دینِ متین کی فعال خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور صلاحیت دیئے رکھے۔ آمین یا ربّ العالمین!

فقط خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

۲۱ رفروری ۲۰۰۱

---

(۱) عمر کا گھوڑا رواں دواں ہے۔ دیکھتے ہیں کہاں رکتا ہے۔ نہ تو ہاتھ میں لگام ہے نہ پاؤں رکاب میں ہیں۔

دو اہم اطلاعات

''حسابِ کم وبیش'' کا زیر نظر ترمیم شدہ بلکہ updated ایڈیشن جن دنوں اشاعت وطباعت کی خاطر تیاری کے آخری مراحل سے گزر رہا تھا' انہی دنوں تنظیم اسلامی کا آل پنجاب سہ روزہ علاقائی اجتماع لاہور اور گوجرانوالہ کے قریباً وسط میں جی ٹی روڈ پر واقع سادھوکی نامی قصبے کے نزدیک ''فردوسی فارم'' موضع دراجکے میں منعقد ہو رہا تھا۔

موضع دراجکے کی حدود میں واقع فردوسی فارم قریباً سات ایکڑ پر محیط ہے اور اظہار لمیٹڈ کی ملکیت ہے۔ اس قطعہ اراضی کو برادرم اقتدار احمد مرحوم نے اظہار لمیٹڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے آج سے دس برس قبل ہماری والدہ صاحبہ مرحومہ کے نام سے معنون کر کے ''فردوسی فارم'' کی شکل دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ فی الوقت فردوسی فارم میں دو کشادہ لان' ایک پولٹری فارم' ایک فش فارم' ایک فارم ہاؤس اور پھلوں کا ایک چھوٹا سا باغ شامل ہے۔ برادر مرحوم کے بڑے صاحبزادے اسعد احمد مختار اظہار لمیٹڈ کے موجودہ مینیجنگ ڈائریکٹر ہیں۔ انہی کی فراخدلانہ پیشکش پر حالیہ علاقائی اجتماع کے انعقاد کے لئے فردوسی فارم کا انتخاب کیا گیا تھا۔ یہ اجتماع بحمد اللہ بہت سے اعتبارات سے غیر معمولی طور پر بھرپور اور حد درجہ کامیاب رہا۔ اس کامیابی میں دیگر امور کے علاوہ فردوسی فارم کے پرفضا ماحول اور حسن انتظام کو بھی فیصلہ کن دخل حاصل تھا۔

تنظیم اسلامی کے اس خالص دینی و مذہبی اجتماع کے روح پرور منظر سے متاثر ہو کر میرے بھتیجوں عزیزم اسعد' عزیزم امجد اور عزیزم ارشد نے یہ مبارک فیصلہ کیا کہ آئندہ سے فردوسی فارم کا سڑک سے ملحق وہ تین ایکڑ رقبہ جو اس موقع پر اجتماع گاہ کے طور پر استعمال ہوا' اللہ کے دین کے لئے ''وقف'' رہے گا۔

اجتماع کے آخری سیشن میں مَیں نے حاضرین کو برادرم اقتدار احمد مرحوم کے سعادت مند بیٹوں کے اس فیصلے کی خوشخبری سنائی تو پورے مجمع کے قلب کی گہرائیوں سے اللہ کے لئے اور عزیزم اسعد اور ان کے بھائیوں کے لئے پھوٹنے والے جذباتِ

تشکر ایک گہرے تاثر کی صورت میں تمام شرکاء کے چہروں سے جھلکتے نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان بھائیوں کے اس انفاق وایثار کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور ان کے اس کارِ خیر کو برادرم اقتدار احمد کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے۔ (آمین یارب العالمین)

☆☆☆☆☆

اسی موقع پر میں نے رفقاء تنظیم کو یہ بھی بتایا کہ میرے زیر استعمال ۹۹ء ماڈل ڈیزل کرولا بھی دراصل عزیزم اسعد ہی کی فراہم کردہ ہے اور یہ بھی اس تحریکی کام میں ان کے عملی تعاون کا ایک مظہر ہے۔ اس کار کی فراہمی میں تنظیم اسلامی یا مرکزی انجمن خدام القرآن پر کسی قسم کا کوئی مالی بوجھ نہیں آیا ہے۔

یہ سلسلہ بھی دراصل برادرم اقتدار احمد مرحوم کے وقت سے چلا آرہا ہے' جب ۱۹۹۴ء میں عزیزم آصف حمید سلمہٗ کی شادی کے موقع پر ولیمے کے اخراجات کے پیشِ نظر میں نے اپنی ذاتی کار فروخت کر دی تھی۔ تب برادرم اقتدار احمد مرحوم نے اپنے طور پر میرے استعمال کے لئے ایک مناسب کار کا انتظام کیا جو سیکنڈ ہینڈ ہونے کے باوجود بہت اچھی حالت میں تھی۔ چار سال کے بعد ۱۹۹۷ء میں عزیزم اسعد نے اس کار کو ایک نسبتاً بہتر ماڈل کی کار سے بدل دیا۔ گویا گزشتہ کم وبیش سات برسوں سے میرے زیر استعمال ذاتی کار کا معاملہ عالمِ اسباب کی حد تک کلیۃً برادرم اقتدار احمد مرحوم اور ان کے بیٹوں کا مرہونِ منت ہے۔ گزشتہ سال عزیزم اسعد نے میری سہولت کے پیشِ نظر پرانی کرولا کار کو نئی ڈیزل کار سے بدل دیا جو آج کل میرے زیر استعمال ہے۔ (فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ)[1]

یکم مارچ ۲۰۰۱ء

---

(۱) اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا سے نوازے

A Psalm of life

HENRY WADSWORTH LONGFELLOW

Tell me not, in mournful numbers,
Life is but an empty dream!—
For the soul is dead that slumbers,
And things are not what they seem.

Life is real! Life is earnest!
And the grave is not its goal;
Dust thou art, to dust returnest,
Was not spoken of the soul.

Not enjoyment, and not sorrow,
Is our destined end or way;
But to act, that each to-morrow
Find us farther than to-day.

Art is long, and Time is fleeting,
And our hearts, though stout and brave,
Still, like muffled drums, are beating
Funeral marches to the grave.

In the world's broad field of battle,
In the bivouac of Life,
Be not like dumb, driven cattle!
Be a hero in the strife!

Trust no Future, howe'er pleasant!
Let the dead Past bury its dead!
Act,— act in the living Present!
Heart within, and God o'erhead!

Lives of great men all remind us
We can make our lives sublime,
And, departing, leave behind us
Footprints on the sands of time;

Footprints, that perhaps another,
Sailing o'er life's solemn main,
A forlorn and shipwrecked brother,
Seeing, shall take heart again.

Let us, then, be up and doing,
With a heart for any fate;
Still achieving, still pursuing,
Learn to labor and to wait.

تنظیمِ اسلامی

دارالاسلام، مرکز تنظیم اسلامی ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔53800

فون:79-35473375 (042)

ای میل:markaz@tanzeem.org www.tanzeem.org

مراکز حلقہ جات

ای میل	موبائل	فون	
timergara@tanzeem.org	0346-0513376	0945-601337	مالاکنڈ
peshawar@tanzeem.org	0334-8937739	091-2262902	پشاور
islamabad@tanzeem.org	0302-5089782	051-2340147	اسلام آباد
rawalpindi@tanzeem.org	0333-5127663	051-4866055	راولپنڈی
muzaffarabad@tanzeem.org	0300-7879787	0582-2447221	مظفر آباد
gujjarkhan@tanzeem.org	0311-5030220	051-4620514	گوجر خان
lahoreeast@tanzeem.org	0323-4443666	042-36293939	گڑھی شاہو لاہور
lahorewest@tanzeem.org	0321-9269265	042-37520902	سمن آباد لاہور
gujranwala@tanzeem.org	0334-9779001	0533600927	گوجرانوالہ
sargodha@tanzeem.org	0300-9603577	0300-9603045	سرگودھا
faisalabad@tanzeem.org	0321-7223010	0418732325	فیصل آباد
sahiwal@tanzeem.org	0300-6949044	0457-830884	ساہیوال ڈویژن
bahawalnagar@tanzeem.org	0333-6305730	0333-6314149	بہاولنگر
multan@tanzeem.org	0321-6313031	061-6520451	ملتان
sukkur@tanzeem.org	0345-5255100	071-5807281	سکھر
hyderabad@tanzeem.org	0333-2608043	022-2106187	حیدر آباد
karachinorth@tanzeem.org	0321-8110205	021-36823201	ناظم آباد کراچی
karachicentral@tanzeem.org	0321-9261317	021-34816581	گلشن اقبال کراچی
karachisouth@tanzeem.org	0333-3503446	021-34306041	سوسائٹی کراچی
quetta@tanzeem.org	0346-8300216	081-2842969	کوئٹہ

تنظیمِ اسلامی کا پیغام خلافت راشدہ کا نظام

تنظیمِ اسلامی

مروجہ مفہوم کے اعتبار سے

نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ

بلکہ ایک اصولی

اسلامی انقلابی جماعت

ہے جو اولاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں

دینِ حق

یعنی اسلام کو غالب کرنے یا دوسرے لفظوں میں

نظامِ خلافت

کو قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے!

بانیٔ تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

امیرِ تنظیم: شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ